ملفوظات

حضرت مولانا محمد الیاسؒ

Scanned by CamScanner

ارشادات حضرت مولانا محمد الیاسؒ

قسط نمبر ❶

یہ قسط حضرتؒ کی حیات میں بلکہ مرض الوفات شروع ہونے سے بھی پہلے شائع ہو چکی ہے

(۱)

فرمایا: انبیاءؑ کی اُمتوں کی عام حالت یہ رہی ہے کہ جوں جوں زمانہ نبوت سے ان کو بُعد ہوتا تھا، دینی امور (عبادت وغیرہ) اپنی روح اور حقیقت سے خالی ہو کر ان کے ہاں محض ''رسوم'' کی حیثیت اختیار کر لیتے تھے اور ان کی ادائیگی بس ایک پڑی ہوئی رسم کے طور پر ہوتی تھی۔ اس گمراہی اور بے راہ روی کی اصلاح کے لئے پھر دوسرے پیغمبر مبعوث ہوتے تھے جو اس رسمی حیثیت کو مٹا کر امتوں کو ''اُمورِ دین'' کی اصل حقیقتوں اور حقیقی روح شریعت سے آشنا کرتے تھے۔ سب سے آخر میں جب رسول اللہ ﷺ مبعوث ہوئے تو اس وقت کی جن قوموں کا تعلق کسی سماوی دین سے تھا ان کی حالت بھی یہی تھی کہ ان کے پیغمبروں کی لائی ہوئی شریعت کا جو حصہ ان کے پاس باقی بھی تھا تو اس کی حیثیت بھی بس چند بے روح رسوم کے مجموعہ کی تھی۔ ان ہی کی رسوم کو وہ اصل دین و شریعت سمجھتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان ''رسوم'' کو مٹایا اور اصل دینی حقائق اور احکام کی تعلیم دی۔

اُمت محمدی ﷺ بھی اب اس بیماری میں مبتلا ہو چکی ہے، اس کی عبادات تک میں یہ رسمیت آ چکی ہے حتی کہ دین کی تعلیم بھی جو اس قسم کی ساری خرابیوں کی اصلاح کا ذریعہ ہونی چاہیے تھی وہ بھی بہت سی جگہ ایک ''رسم'' سی ہی بن گئی ہے۔ لیکن چونکہ سلسلۂ نبوت اب ختم کیا جا چکا ہے اور اس قسم کے کاموں کی ذمہ داری اُمت کے ''علماء'' پر رکھ دی گئی ہے جو نائبین نبیؐ ہیں، تو ان ہی کا یہ فرض ہے کہ وہ اس ضلال اور فساد حال کی اصلاح کی طرف خاص متوجہ ہوں اور اس کا ذریعہ ہے تصحیح نیت، کیونکہ اعمال میں ''رسمیت'' جب ہی آتی ہے جب کہ ان میں للّٰہیت اور شانِ نبوت نہیں رہتی اور نیت کی تصحیح سے اعمال کا رُخ صحیح ہو کر اللہ ہی کی طرف پھر جاتا ہے اور

Scanned by CamScanner

''رسمیت'' کے بجائے اُن میں ''حقیقت'' پیدا ہو جاتی ہے اور ہر کام عبدیت اور خدا پرستی کے جذبے سے ہوتا ہے۔ الغرض لوگوں کو تصحیح نیت کی طرف متوجہ کر کے ان کے اعمال میں لِلّٰہیت اور حقیقت پیدا کرنے کی کوشش کرنا علماء اُمت اور حاملان دین کا اس وقت ایک خاص فریضہ ہے۔

(۲)

فرمایا: قرآن وحدیث میں بڑی اہمیت کے ساتھ اس حقیقت کا اعلان کیا گیا ہے کہ دین ''یُسر'' ہے، یعنی وہ سراسر سہولت اور آسانی ہے لہٰذا جو چیز دین میں جس درجہ ضروری ہوگی وہ اسی درجہ میں سہل اور آسان ہونی چاہیے۔ پس تصحیح نیت اور اخلاص لِلّٰہ چونکہ دین میں نہایت ضروری ہے بلکہ ہی سارے اُمور دین کی رُوح ہے اس لئے وہ بے حد سہل ہے اور یہی ''اخلاص لِلّٰہ'' چونکہ سارے ''سلوک'' اور ''طریق'' کا حاصل ہے اس لئے معلوم ہوا کہ سلوک بھی بہت آسان چیز ہے مگر یاد رہنا چاہیے کہ ہر چیز اپنے اصول اور اپنے طریقے سے سہل ہوتی ہے۔ غلط طریقے سے تو آسان سے آسان کام بھی دشوار ہو جاتا ہے۔ اب لوگوں کی غلطی یہ ہے کہ وہ اصول کی پابندی ہی کو مشکل سمجھتے ہیں اور اس سے گریز کرتے ہیں۔ حالانکہ دنیا میں کوئی معمولی کام بھی اصول کی پابندی اور مناسب طریق کار اختیار کئے بغیر انجام نہیں پاتا۔ جہاز، کشتی، ریل، موٹر سب اصول ہی سے چلتے ہیں حتی کہ ہنڈیا روٹی تک بھی اصول ہی سے پکتی ہے۔

(۳)

فرمایا: طریقت کی خاص غایت ہے اللہ تعالیٰ کے احکام واوامر کا مرغوب طبعی اور نواہی کا مکروہ طبعی ہو جانا (یعنی ایسی کیفیت پیدا ہو جانا کہ احکام واوامر الٰہی کے بجالانے میں لذت و فرحت حاصل ہو اور نواہی یعنی ممنوعات کے پاس جانے سے اذیت اور کراہت ہونے لگے) یہ تو ہے طریقت کی غایت باقی جو کچھ ہے (یعنی خاص اذکار واشغال اور مخصوص قسم کی ریاضات وغیرہ) سو وہ اس کی تحصیل کے ذرائع ہیں لیکن اب بہت سے لوگ ان ذرائع ہی کو اصل طریق سمجھنے لگے ہیں حالانکہ بعض تو ان میں سے بدعت ہیں۔ بہرحال چونکہ ان چیزوں کی حیثیت صرف ذرائع کی ہے اور یہ بذات خود مقصود نہیں ہیں اس لئے احوال ومقتضیات کے اختلاف کے ساتھ ان پر نظر ثانی اور حسبِ مصلحت ترمیم وتبدیل ضروری ہے، البتہ جو چیزیں شریعت میں

Scanned by CamScanner

منصوص ہیں وہ ہر زمانے میں یکساں طور پر واجب العمل رہیں گی۔

(۴)

فرمایا: فرائض کا مقام نوافل سے بہت بلند تر ہے بلکہ سمجھنا چاہیے کہ نوافل سے مقصود ہی فرائض کی تکمیل یا اُن کی کوتاہیوں کی تلافی ہوتی ہے۔ غرض فرائض اصل ہیں اور نوافل ان کے توابع اور فروع مگر بعض لوگوں کا حال یہ ہے کہ وہ فرائض سے تو غفلت برتتے ہیں اور نوافل میں مشغول رہنے کا اس سے بدرجہاء زیادہ اہتمام کرتے ہیں مثلاً آپ سب حضرات جانتے ہیں کہ ''دعوت الی الخیر''، ''امر بالمعروف'' اور ''نہی عن المنکر'' (غرض تبلیغ دین کے یہ تمام شعبے اہم فرائض میں سے ہیں، مگر کتنے ہیں جو ان فرائض کو ادا کرتے ہیں، لیکن اذکار نفلیہ میں اشتغال و انہماک رکھنے والوں کی اتنی کمی نہیں۔)

(۵)

فرمایا۔ بعض اہل دین اور اصحاب علم کو 'استغناء' کے باب میں بڑا سخت مغالطہ ہے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ استغناء کا مقتضیٰ یہ ہے کہ اغنیاء اور اہل ثروت سے مطلقاً ملا ہی نہ جائے اور ان کے اختلاط سے کلی پرہیز کیا جائے حالانکہ استغناء کا منشاء صرف یہ ہے کہ ہم ان کی دولت کے حاجت مند بن کر ان کے پاس نہ جائیں اور طلب جاہ و مال کے لئے ان سے نہ ملیں، لیکن ان کی اصلاح کے لئے اور دینی مقاصد کے لئے ان سے ملنا اور اختلاط رکھنا ہرگز استغناء کے منافی نہیں، بلکہ یہ تو اپنے درجے میں ضروری ہے۔ ہاں اس چیز سے بہت ہوشیار رہنا چاہیے کہ ان کے اس اختلاط سے ہمارے اندر حب مال و جاہ اور دولت کی حرص پیدا نہ ہو جائے۔

(۶)

فرمایا: جب کوئی اللہ کا بندہ کسی امر خیر کی طرف قدم بڑھانا چاہتا ہے تو شیطان طرح طرح سے اس کی مزاحمت کرتا ہے اور اس کی راہ میں مشکلات اور رکاوٹیں ڈالتا ہے لیکن اگر اس کی یہ مزاحمتیں اور رکاوٹیں ناکام رہتی ہیں اور وہ بندۂ خدا ان سب کو عبور کر کے اس کار خیر کو شروع کر ہی دیتا ہے اور اس کی نیت میں خرابی ڈال کے یا دوسرے طریقوں سے اس کارِ خیر میں حصہ دار بننا

Scanned by CamScanner

چاہتا ہے یعنی کبھی اس میں "ریاء" و "سمعہ" (دکھاوے اور شہرت کی خواہش) کو شامل کرنے کی کوشش کرتا ہے اور کبھی دوسری اغراض کی آمیزش اور ملاوٹ سے اس کی للہیت کو برباد کرنا چاہتا ہے اور اس میں بسا اوقات کامیاب ہوجاتا ہے اس لئے دینی کام کرنے والوں کو چاہیے کہ وہ اس خطرے سے ہر وقت چوکنے رہیں اور اس قسم کے شیطانی وساوس سے ہر وقت اپنے دل کی حفاظت کرتے رہیں اور اپنی نیتوں کا برابر جائزہ لیتے رہیں کیونکہ جس کام میں رضاء الٰہی کے علاوہ کوئی دوسری غرض کسی وقت بھی شامل ہوجائے گی پھر وہ اللہ کے یہاں قبول نہیں۔

(۷)

فرمایا: اکثر دینی مدارس میں بڑی غفلت اور کوتاہی ہوتی ہے کہ طلباء کو پڑھا تو دیا جاتا ہے لیکن اس کی کوئی خاص کوشش نہیں کی جاتی کہ اس پڑھنے پڑھانے کا جو اصل مقصد ہے (یعنی خدمت دین اور دعوت الی اللہ) وہ پڑھنے کے بعد اسی میں لگیں۔ اس غفلت کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ان مدرسوں کے بہت سے ہونہار فاضل فراغت کے بعد محض تحصیل معاش کو اپنا مطمح نظر بنا کر یا تو طب پڑھنے میں لگ جاتے ہیں اور یا سرکاری یونیورسٹیوں کے امتحان دے کر انگریزی اسکولوں میں ٹیچر کا پیشہ اختیار کر لیتے ہیں اور ان کی دینی تعلیم پر جو وقت اور روپیہ خرچ ہوا تھا اور جو محنت کی گئی تھی وہ نتائج کے لحاظ سے اس طرح سب غارت ہوجاتی ہے بلکہ بسا اوقات وہ دشمنانِ دین کے کام آتی ہے۔ لہٰذا پڑھانے سے زیادہ ہم کو اس کی فکر اور کوشش کرنی چاہیے کہ جو طلباء پڑھ کر فارغ ہوں وہ دین کی خدمت ہی میں لگیں اور علم دین کے حقوق ادا کریں۔ اپنی کھیتی میں کچھ پیدا نہ ہو تو یہ بھی خسارہ ہے لیکن اگر پیدا ہو کر ہمارے دشمنوں کے کام آئے تو یہ اور زیادہ خسارہ کی بات ہے۔

(۸)

فرمایا: سرکاری یونیورسٹیوں کے جو امتحانات "مولوی فاضل" وغیرہ دیئے جاتے ہیں ہم لوگوں کو ان کی قباحت اور ان کے ضرر دینی کا پورا اندازہ اور احساس نہیں۔ یہ امتحانات عموماً اسی لئے تو دیئے جاتے ہیں کہ انگریزی اسکولوں میں نوکری مل سکے۔ گویا حکومتِ کافرہ نے اپنے مصالح کے لئے جو نظام تعلیم رائج کیا ہے اور اس سے اس کے جو مقاصد ہیں ان امتحانات

Scanned by CamScanner

(مولوی فاضل وغیرہ) کے دینے سے گویا مقصد یہ ہوتا ہے کہ ان مقاصد کی تکمیل کے لئے اس کافرانہ نظام کے معاون بلکہ اس کے اجرتی آلۂ کار بننے کا استحقاق پیدا کیا جا سکے۔ غور فرمایا جائے، علم دین پر اس سے بڑا ظلم اور اس کا اس سے زیادہ غلط استعمال کیا ہوگا کہ اعداءِ دین کے تعلیمی نظام کی ''خدمت'' کا کام اس سے لیا جائے۔ گویا یوں سمجھئے کہ ان امتحانات کے ذریعے علم دین کی نسبت اللہ و رسولؐ کے بجائے کافروں اور حکومت کافرہ کی طرف کی جاتی ہے اس لئے یہ بڑی خطرناک چیز ہے۔

(۹)

فرمایا۔ علم کا سب سے پہلا اور اہم تقاضا یہ ہے کہ آدمی اپنی زندگی کا احتساب کرے، اپنے فرائض اور اپنی کوتاہیوں کو سمجھے اور ان کی زیادہ ادائیگی کی فکر کرنے لگے، لیکن اگر اس کے بجائے وہ اپنے علم سے دوسروں ہی کے اعمال کا احتساب اور ان کی کوتاہیوں کے شمار کا کام لیتا ہے تو پھر یہ علمی کبر و غرور ہے جو اہل علم کے لئے بڑا مہلک ہے ع

''کار خود کن کار بیگانہ مکن''

(۱۰)

اس سوال پر کلام کرتے ہوئے کہ ''مسلمانوں کو حکومت و اقتدار کیوں نہیں بخشا جاتا؟''

فرمایا:

''اللہ کے احکام اور اوامر و نواہی کی حفاظت و رعایت جب کہ تم اپنی ذات اور اپنی منزلی زندگی میں نہیں کر رہے (جس پر تمہیں اختیار حاصل ہے اور کوئی مجبوری نہیں ہے) تو دنیا کا نظم و نسق کیسے تمہارے حوالے کر دیا جائے۔''

ایمان والوں کو حکومت ارضی دینے سے تو منشاء الٰہی یہی ہوتا ہے کہ وہ اللہ کی مرضیات اور اس کے احکام کو دنیا میں نافذ کریں تو تم جب اپنے حدود اختیار میں آج یہ نہیں کر رہے تو حکومت تمہارے سپرد کر کے کل کے لئے تم سے اس کی کیا اُمید کی جا سکتی ہے؟

(۱۱)

فرمایا: جو لوگ گورنمنٹ کے وفادار اور حامی سمجھے جاتے ہیں درحقیقت وہ کسی کے بھی

Scanned by CamScanner

وفادار اور حامی نہیں ہیں بلکہ صرف اپنی اغراض کے وفادار ہیں، البتہ آج چونکہ ان کی وہ دُنی (گھٹیا) اغراض موجودہ گورنمنٹ سے پوری ہوتی ہیں اس لئے وہ ان کے حامی اور وفادار بنے ہوئے ہیں لیکن اگر کل ہی کو ان کی اغراض گورنمنٹ کے دشمنوں سے پوری ہونے لگیں تو وہ اسی درجے میں ان کے بھی حامی اور وفادار ہو جائیں گے، ورنہ حقیقی طور پر تو ایسے غرض پرست لوگ اپنے باپ کے بھی وفادار نہیں ہوتے تو ان لوگوں کی اصلاح کا طریقہ یہ نہیں ہے کہ ان کو بُرا بھلا کہا جائے یا بس گورنمنٹ کی مخالفت پر ان کو آمادہ کیا جائے، ان کی اصلی بیماری ''غرض پرستی'' ہے اور جب تک یہ ان میں موجود رہے گی اگر گورنمنٹ کی حمایت انہوں نے چھوڑ بھی دی تو اپنی اغراض کے لئے وہ کسی اور ایسی ہی طاقت کے وفادار بنیں گے۔ اس لئے کرنے کا کام یہ ہے کہ ان میں غرض پرستی کے بجائے خدا پرستی پیدا کی جائے اور اللہ اور اس کے دین کا انہیں سچا وفادار بنانے کی کوشش کی جائے۔ اس کے بغیر ان کی بیماری کا علاج نہیں ہوسکتا۔

(۱۲)

فرمایا: یہ قاعدہ کلیہ ہے کہ ہر آدمی کو چین اُس چیز کے حصول سے ملتا جس کی اسے رغبت اور چاہت ہو۔ مثلاً ایک شخص کو امیرانہ زندگی، بیش قیمت کھانوں اور کپڑوں سے ہی رغبت ہے تو اس کو ان چیزوں کے بغیر چین اور آرام نصیب نہیں ہوسکتا، لیکن جس کو چٹائی پر بیٹھنا، بوریئے پر سونا، سادہ لباس اور سادہ کھانا زیادہ مرغوب ہو ظاہر ہے کہ اس کو اسی میں زیادہ سکھ محسوس ہوگا، پس جن لوگوں کو رسول اللہ ﷺ کے اتباع میں سادہ معاشرت مرغوب ہو جائے اور ان کو اسی میں لذت اور چین ملنے لگے ان پر اللہ تعالیٰ کا بڑا انعام ہے کہ ان کا چین ایسی چیزوں سے وابستہ فرما دیا جو بے حد سستی ہیں اور جن کا حصول ہر غریب وفقیر کے لئے بہت آسان ہے اگر بالفرض ہماری رغبت ان بیش قیمت چیزوں میں رکھ دی جاتی جو دولت مندوں ہی کو میسر آسکتی ہیں تو شاید عمر بھر ہم بے چین ہی رہتے۔

(۱۳)

فرمایا: ہم کو حکم ہے کہ جو مال تم کو اس دنیا میں دیا جائے اس کو روکو مت یعنی بخل مت کرو بلکہ خرچ کرتے رہو لیکن اس شرط کی پابندی کے ساتھ کہ یہ خرچ بے جگہ بھی نہ ہو اور بے سلیقہ بھی

Scanned by CamScanner

نہ۔ یعنی یہ صرف صحیح محل و مصرف میں ہو، اللہ کے بتلائے ہوئے طریقے پر اور اس کی مقرر کی ہوئی حدود کے اندر ہو۔

(۱۴)

ایک وقت ایسا ہوا کہ شاید بارش وغیرہ کی وجہ سے مولانا کے یہاں گوشت نہیں آسکا اور اس دن مہمانوں میں میرے ایک محترم بزرگ (جو حضرت مولانا کے خاص عزیز بھی ہیں) وہ بھی تھے، گوشت سے جن کی رغبت حضرت مولانا کو معلوم تھی، یہ عاجز بھی حاضر تھا، میں نے دیکھا کہ مولاناؒ پر اس کا بہت اثر ہے کہ آج دسترخوان پر گوشت نہیں۔ مجھے اس پر گو نہ تعجب ہوا کہ یہ کون سی تاثر (یعنی غمزدہ ہونے) کی بات ہے؟

تھوڑی دیر بعد اسی پر قلق افسوس کرتے ہوئے فرمایا:

''حدیث شریف میں ہے کہ: ''مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلْيُكْرِمْ ضَيْفَهٗ'' (جو شخص اللہ اور یومِ آخرت پر ایمان رکھتا ہو اس کو چاہیے کہ وہ اپنے مہمان کا اکرام کرے) اور اکرامِ ضیف میں سے یہ بھی ہے کہ اس کی رغبت کی چیز اگر مہیا ہوسکتی ہو تو مہیا کی جائے۔'' اس کے بعد ایک خاص درد کے ساتھ فرمایا: ''فَكَيْفَ بِاَضْيَافِ اللّٰهِ وَاَضْيَافِ رَسُوْلِهٖ'' (جس کا مطلب یہ ہے کہ جب کسی کے ہاں ایسے مہمان آئیں جو صرف اللہ و رسول ﷺ اور انہی کے تعلق اور انہی کے کام سے آتے ہیں تو اُن کا حق تو اور بھی زیادہ ہوجاتا ہے۔

(۱۵)

فرمایا: جنت حقوق کا بدلہ ہے یعنی اپنے حقوق، اپنا چین اور اپنا آرام اللہ کے لئے مٹایا جائے اور اپنے پر تکلف برداشت کر کے دوسروں کے حقوق ادا کئے جائیں (جن میں حقوق اللہ بھی شامل ہیں) تو اسی کا بدلہ جنت ہے (اسی سلسلے میں فرمایا) حدیث میں ارشاد ہوا ہے:

اِرْحَمُوْا مَنْ فِي الْاَرْضِ يَرْحَمْكُمْ مَنْ فِي السَّمَآءِ

ترجمہ: ''تم زمین والوں پر رحم کھاؤ، رب السماء تم پر رحمت فرمائے گا۔''

حدیث میں دو عورتوں کے دو واقعے بیان کئے گئے ہیں جو عام طور سے معلوم اور مشہور

Scanned by CamScanner

ہیں۔ ایک یہ کہ کسی بدکار اور فاحشہ عورت نے کتے کی خبر گیری کی اور اس کی پیاس پر ترس کھا کر کنویں سے پانی نکال کے اس کو پلایا تو اللہ نے اس کے اس فعل کے عوض اس کے لئے جنت کا فیصلہ فرما دیا اور ایک دوسری عورت نے جو بدکار نہیں تھی ایک بلی کو بھوکا رکھ کر تڑپا تڑپا کر مار ڈالا تو وہ جہنم میں ڈال دی گئی۔

(۱۶)

فرمایا۔ رسول اللہ ﷺ مکہ معظمہ میں (قبل ہجرت) جو کام کرتے تھے یعنی چل پھر کر لوگوں کو دعوتِ حق دینا اور اس مقصد کے لئے خود ان کے پاس جانا، بظاہر مدینہ طیبہ پہنچ کر یہ کام آپ ﷺ کا نہیں رہا بلکہ وہاں آپ ﷺ اپنا ایک مستقر بنا کر بیٹھے، لیکن یہ آپ ﷺ نے اس وقت کیا جب کہ مکی دعوت کو سنبھالنے والوں اور اس کام کو حسن خوبی کے ساتھ انجام دینے والوں کی ایک خاص جماعت آپ ﷺ نے تیار کر دی اور پھر اس کام ہی کا یہ تقاضا ہوا کہ آپ ﷺ ایک مرکز میں بیٹھ کر اس کام کو نظم کے ساتھ چلائیں اور کارکنوں سے کام لیں۔ علیٰ ہٰذا حضرت عمرؓ کو مدینہ طیبہ ہی کے مرکز میں مقیم رہنا اس وقت درست ہوا جب کہ ایران و روم کے علاقوں میں اللہ کے کلمے کو سربلند کرنے کے لئے جہاد کرنے والے اللہ کے ہزاروں بندے پیدا ہو چکے تھے اور ضرورت تھی کہ حضرت عمرؓ مرکز ہی میں رہ کر اس دعوتِ حق اور جہاد فی سبیل اللہ کے نظام کو استحکام کے ساتھ چلائیں۔

(۱۷)

فرمایا: حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے صدیق اکبرؓ کو تعلیم دی کہ وہ نماز کے آخر میں اللہ تعالیٰ سے یوں عرض کیا کریں:

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ ظُلْمًا کَثِیْرًا وَّلَا یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اَنْتَ فَاغْفِرْلِیْ مَغْفِرَۃً مِّنْ عِنْدِکَ وَارْحَمْنِیْ اِنَّکَ اَنْتَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ۔

ترجمہ: ”یعنی اے اللہ میں نے اپنے پر بڑا ظلم کیا، اور تیرے سوا کوئی گناہوں اور خطاؤں کا بخشنے والا نہیں، پس تو محض اپنے فضل و کرم سے (جس میں گویا میرے استحقاق کو کوئی دخل

Scanned by CamScanner

نہیں ہے) مجھے بخش دے اور مجھ پر رحم فرما، بخشنے والا اور رحم والا یقیناً تو ہی ہے۔"

ذرا سوچئے حضور ﷺ نے یہ دعا حضرت ابوبکر صدیقؓ کو تلقین فرمائی ہے جو اس ساری اُمت میں اکمل و افضل ہیں اور بالخصوص ان کی نماز خود رسول ﷺ کے نزدیک ایسی کامل ہوتی تھی کہ آپ ﷺ نے اُن کو خود امام نماز بنایا۔ باوجود اس کے اُن کو بھی یہ تعلیم فرمایا کہ نماز کے آخر میں اللہ پاک کے حضور اپنی کوتاہی اور عبادت کا حق ادا نہ ہو سکنے کا اعتراف اس طرح کیا کرو، اور اس طرح محض اُس کے فضل و کرم سے مغفرت و رحمت کی درخواست کیا کرو! پھر کجا ہما و شما؟

(۱۸)

فرمایا: انسان کا قیام زمین کے اوپر بہت کم ہے (یعنی زیادہ سے زیادہ عمر طبعی مقدار) اور زمین کے نیچے اس کو اس سے بہت زیادہ قیام کرنا ہے یا یوں سمجھو کہ دنیا میں تو تمہارا قیام ہے بہت مختصر، اور اس کے بعد جن جن مقامات پر ٹھہرنا ہے، مثلاً مرنے کے بعد نفخۂ اولیٰ تک قبر میں، اس کے بعد نفخۂ ثانیہ تک اُس حالت میں جس کو اللہ ہی جانتا ہے (اور یہ مدت بھی ہزار ہا برس کی ہوگی) اور پھر ہزار ہا برس ہی عرصۂ محشر میں، اس کے بعد آخرت میں جس ٹھکانے کا فیصلہ ہو، غرض دنیا سے گزرنے کے بعد ہر منزل اور مقام کا قیام دنیا سے سینکڑوں ہی گنا زیادہ ہوتا ہے۔ پھر انسان کی کیسی غفلت ہے کہ دنیا کے چند روز قیام کے لئے وہ جتنا کچھ کرتا ہے ان دوسرے مقامات کے لئے اتنا بھی نہیں کرتا۔

(۱۹)

فرمایا: "حقیقی ذکر اللہ" یہ ہے کہ آدمی جس موقع پر اور جس حال اور جس مشغلے میں ہو اس کے متعلق اللہ کے جو احکام و اوامر ہوں اُن کی نگہداشت رکھے اور میں اپنے دوستوں کو اسی "ذکر" کی زیادہ تاکید کرتا ہوں۔

(۲۰)

فرمایا: انسان کو اپنے ماسواء پر جو امتیاز و تفوق حاصل ہے اس میں زبان کو خاص دخل

Scanned by CamScanner

ہے۔ اب اگر زبان سے آدمی اچھی ہی باتیں کرتا ہے اور خیری میں اس کو استعمال کرتا ہے تو یہ امتیاز اور تفوق اس کو خیر میں حاصل ہوگا، اور اگر زبان کو اس نے آلۂ شر بنا رکھا ہے، مثلاً بڑی باتیں بکتا ہے اور ناحق لوگوں کو ایذاء دیتا ہے تو پھر اسی زبان کی بدولت وہ شر میں ممتاز اور بالاتر ہوگا، حتیٰ کہ کبھی کبھی یہی زبان آدمی کو کتے اور خنزیر سے بھی بدتر کر دے گی۔ حدیث شریف میں ہے:

وَهَلْ يُكِبُّ النَّاسَ فِي النَّارِ عَلٰى مَنَاخِرِهِمْ اِلَّا حَصَائِدُ اَلْسِنَتِهِمْ (یعنی آدمیوں کو جہنم میں اوندھے منہ ان کی بکواس ہی ڈالے گی) اَللّٰهُمَّ احْفَظْنَا۔

☆☆☆

Scanned by CamScanner

قسط نمبر ۲

(۲۱)

ایک دن صبح کی نماز کے بعد خدمت دین اور نصرت دین کی ترغیب دیتے ہوئے سلسلۂ کلام اس طرح شروع فرمایا:

دیکھو سب جانتے اور مانتے ہیں کہ خدا غائب نہیں ہے بلکہ شاہد ہے اور ہر آن شاہد ہے، تو اس کے حاضر ناظر ہوتے ہوئے بندوں کا اُس میں نہ لگنا اور اس کے غیروں میں لگا رہنا یعنی اس سے اعراض اور اس کے ماسواء میں اشتغال وانہماک سوچو کہ کیسی بے نصیبی اور کتنی بڑی محرومی ہے اور قیاس کرو کہ یہ چیز خدا کو کس قدر غضب ناک کرنے والی ہوگی؟ اور خدا کے دین کے کام سے غافل رہنا اور اس کے اوامر واحکام کا لحاظ نہ رکھتے ہوئے دُنیا میں لگا رہنا ہی اس سے اعراض اور اس کے ماسوا میں اشتغال وانہماک ہے اور اس کے برعکس اللہ کی اطاعت میں لگنا یہ ہے کہ اس کے دین کی نصرت میں لگا رہے اور اس کے احکام کی فرمانبرداری کرتا رہے مگر اس کا لحاظ رکھنا پڑے گا کہ جو بات جتنی زیادہ اہم اور جتنی زیادہ ضروری ہو اس کی طرف اسی قدر توجہ دی جائے اور یہ چیز معلوم ہوگی رسول اللہ ﷺ کے اُسوۂ حسنہ سے، اور معلوم ہے کہ آپ ﷺ نے جس کام کے لئے سب سے زیادہ محنت کی اور سب سے زیادہ تکلیفیں برداشت کیں وہ کام تھا کلمے کا پھیلانا، یعنی بندوں کو خدا کی بندگی کے لئے تیار کرنا اور اُس کی راہ میں لگانا۔ تو یہی کام سب سے زیادہ اہم رہے گا اور کام میں لگنا اعلیٰ درجے کا خدا میں لگنا ہوگا۔

(۲۲)

ایک صحبت میں فرمایا: لوگوں نے اللہ کی عبدیت اور بندگی کو انسانوں کی غلامی اور نوکری سے بھی کم درجہ دے رکھا ہے۔ غلاموں اور نوکروں کا عام حال یہ ہوتا ہے کہ وہ ہمہ وقت اپنے آقا کے کام میں لگا رہنا ہی اپنا منصب سمجھتے ہیں اور اس کے بیچ میں دوڑتے بھاگتے جو کچھ ہاتھ لگ جاتا ہے کھا پی بھی لیتے ہیں لیکن اللہ پاک کے ساتھ اب بندوں کا یہ معاملہ رہ گیا ہے کہ مستقل طور

Scanned by CamScanner

...تو اپنے اور بالکل اپنے کاموں اور اپنے مرغوبات ولذائذ میں اپنے ہی لئے لگے رہتے ہیں اور کبھی کبھی کچھ وقت اپنے ان ذاتی مشاغل اور مرغوبات سے نکال کر خدا کا کوئی کام بھی کر لیتے ہیں مثلاً نماز پڑھ لیتے ہیں یا خیر کے کاموں میں چندہ دے دیتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ بس خدا اور دین کا مطالبہ ہم سے ادا ہو گیا حالانکہ حق بندگی یہ ہے کہ اصالتاً اور مستقلاً تو ہو دین کا کام اور اپنا کھانا پینا اور اس کے لئے سامان کرنا ہو صرف ضمناً اور تبعاً (اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ سب لوگ اپنے اپنے ذرائع معاش اور کاروبار چھوڑ دیں نہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ جو کچھ ہو اس کی بندگی کے تحت ہو اور اس کے دین کی خدمت اور نصرت سب میں ملحوظ ہو، اور اپنے کھانے پینے وغیرہ کی حیثیت صرف ضمنی ہو جس طرح ایک غلام کی اپنے آقا کے کاروبار میں ہوتی ہے۔)

(۲۳)

ایک دن کسی وقت کی نماز ایک صاحب نے پڑھائی، بعد نماز یہ دعاء بھی کی (جو حضرت مولانا بھی بکثرت کیا کرتے تھے)۔

اَللّٰهُمَّ انْصُرْ مَنْ نَصَرَ دِيْنَ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاخْذُلْ مَنْ خَذَلَ دِيْنَ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔

ترجمہ: ”اے اللہ محمد ﷺ کے دین کی جو لوگ مدد کریں تو ان کی مدد فرما اور جو اس دین کی مدد نہ کریں ان کی تو مدد نہ فرما۔“

حضرت مولانا نے اس پر تین بار بہ آواز بلند ایک خاص درد کے ساتھ فرمایا: ”اَللّٰهُمَّ لَا تَجْعَلْنَا مِنْهُمْ، اَللّٰهُمَّ لَا تَجْعَلْنَا مِنْهُمْ، اَللّٰهُمَّ لَا تَجْعَلْنَا مِنْهُمْ۔“ پھر حاضرین کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

بھائیو! اس دعاء پر غور کرو اور اس کا وزن سمجھو۔ یہ وہ دعاء اور بد دعاء ہے جس کو قریباً ہر زمانے میں اللہ کے خاص بندے کرتے چلے آئے ہیں۔ یہ بڑی بھاری دُعا ہے، اس میں دین کی مدد کرنے والوں اور اس راہ میں جدوجہد کرنے والوں کے لئے تو رحمت ونصرت کی دعاء ہے لیکن دین کی مدد نہ کرنے والوں کے حق میں بڑی سنگین بد دعاء ہے کہ خدا اُن کو اپنی رحمت ونصرت سے محروم کر دے۔ اب ہر شخص اس دعاء کو اپنے اوپر منطبق کر کے دیکھے کہ وہ اس کی اچھی دعاء کا

Scanned by CamScanner

مصداق ہے یا بد دعاء کا نشانہ۔ یہ بھی خیال رہے کہ اپنی اپنی نمازیں پڑھنا، روزے رکھنا، اگرچہ اعلیٰ درجے کی عبادتیں ہیں لیکن یہ دین کی نصرت کے کام نہیں ہیں۔ دین کی نصرت تو وہی ہے جس کو قرآن پاک اور اللہ کے رسول ﷺ نے ''نصرت'' بتلایا ہے اور اس کا اصلی اور مقبول ترین طریقہ بھی وہی ہے جس کو آنحضرت ﷺ نے رواج دیا۔ اس وقت اس طریقے اور اس رواج کو تازہ کرنے اور پھر سے اس کو جاری کرنے کی سعی کرنا ہی دین کی سب سے بڑی نصرت ہے۔ اللہ پاک ہم سب کو اس کی توفیق دے۔ آمین!

☆☆☆

Scanned by CamScanner

قسط نمبر ۳

اس قسط کے تمام ملفوظات اس دینی تحریک و دعوت ہی سے متعلق ہیں جس میں
حضرتؒ فنافی اللہ بزرگ تھے، اس دعوت کے کارکنوں کو بہت غور سے ان ملفوظات کو پڑھنا چاہیے

(۲۴)

ایک صحبت میں فرمایا: ہماری اس تحریک کا اصل مقصد ہے مسلمانوں کو ''جَمِیْعُ مَا جَآءَ بِہِ النَّبِیُّ ﷺ'' سکھانا (یعنی اسلام کے پورے علمی و عملی نظام سے اُمت کو وابستہ کر دینا) یہ تو ہے ہمارا اصل مقصد، رہی قافلوں کی یہ چلت پھرت اور تبلیغی گشت، سو یہ اس مقصد کے لئے ابتدائی ذریعہ ہے، اور کلمہ و نماز کی تلقین و تعلیم گویا ہمارے پورے نصاب کی ''الف، باء، تاء'' ہے۔ یہ بھی ظاہر ہے کہ ہمارے قافلے پورا کام نہیں کر سکتے، ان سے تو بس اتنا ہی ہوسکتا ہے کہ ہر جگہ پہنچ کر اپنی جدوجہد سے ایک حرکت و بیداری پیدا کر دیں اور غافلوں کو متوجہ کر کے وہاں کے مقامی اہل دین سے وابستہ کرنے کی اور اس جگہ کے دین کی فکر رکھنے والوں (علماء و صلحاء) کو بے چارے عوام کی اصلاح پر لگا دینے کی کوشش کریں۔ ہر جگہ پر اصلی کام تو وہیں کے کارکن کر سکیں گے اور عوام کو زیادہ فائدہ اپنی جگہ کے اہل دین سے استفادہ کرنے میں ہوگا۔ البتہ اس کا طریقہ ہمارے ان آدمیوں سے سیکھا جائے جو ایک عرصے سے افادہ و استفادہ اور تعلیم و تعلّم کے اس طریقے پر عامل ہیں اور اس پر بڑی حد تک قابو پا چکے ہیں۔

(۲۵)

ایک صحبت میں فرمایا: ہمارے کارکن اس بات کو مضبوطی سے یاد رکھیں کہ اگر ان کی دعوت و تبلیغ کہیں قبول نہ کی جائے اور الٹا ان کو بُرا بھلا کہا جائے، الزامات لگائے جائیں تو وہ مایوس اور ملول نہ ہوں اور ایسے موقع پر یہ یاد کر لیں کہ یہ انبیاءؑ اور بالخصوص سیّد الانبیاء ﷺ کی خاص سنت اور وراثت ہے، راہِ خدا میں ذلیل ہونا ہر ایک کو کہاں نصیب ہوتا ہے، اور جہاں ان کا استقبال اعزاز و اکرام سے کیا جائے، ان کی دعوت و تبلیغ کی قدر کی جائے اور طلب کے ساتھ ان

Scanned by CamScanner

کی باتیں سنی جائیں تو اس کو اللہ پاک کا فقط انعام سمجھیں اور ہرگز اس کی ناقدری نہ کریں۔ ان طالبوں کی خدمت اور تعلیم کو اللہ کے اس احسان کا خاص شکریہ سمجھیں اگرچہ یہ چھوٹے سے چھوٹے طبقے کے لوگ ہوں۔ قرآن پاک کی آیات ''عَبَسَ وَتَوَلّٰٓی ۙ اَنْ جَآءَهُ الْاَعْمٰی ؕ'' (عبس ۸۰: ۱، ۲) میں ہم کو یہی سبق دیا گیا ہے۔ ہاں اس صورت میں اپنے نفس کے فریب سے بھی ڈرتے رہیں، نفس اس مقبولیت و مطلوبیت کو اپنا کمال نہ سمجھنے لگے۔ نیز اس میں ''پیر پرستی'' کے فتنے کا بھی سخت اندیشہ ہے، لہٰذا اس سے خاص طور سے خبردار رہیں۔

(۲۶)

ایک صحبت میں فرمایا: سب کارکنوں کو سمجھا دو کہ اس راہ میں بلاؤں اور تکلیفوں کو خدا سے مانگیں تو ہرگز نہیں (بندے کو اللہ سے ہمیشہ عافیت ہی مانگنی چاہیے) لیکن اگر اللہ پاک اس راہ میں یہ مصیبتیں بھیج دے تو پھر ان کو خدا کی رحمت اور ذریعہ کفارہ سیئات و رفعت درجات سمجھا جائے۔ راہِ خدا میں اس قسم کی مصیبتیں تو انبیاء اور صدیقین و مقربین کی خاص غذائیں ہیں۔

(۲۷)

ایک صحبت میں فرمایا: تبلیغ و دعوت کے وقت بالخصوص اپنے باطن کا رخ اللہ پاک ہی کی طرف رکھنا چاہیے نہ کہ مخاطبین کی طرف، گویا اس وقت ہمارا دھیان یہ ہونا چاہیے کہ ہم اپنے کسی کام اور اپنی ذاتی رائے سے نہیں بلکہ اللہ کے حکم سے اور اس کے کام کے لئے نکلے ہیں، مخاطبین کی توفیق بھی اسی کے قبضۂ قدرت میں ہے۔ جب اس وقت یہ دھیان ہوگا تو ان شاء اللہ مخاطبین کے غلط برتاؤ سے نہ تو غصہ آئے گا اور نہ ہمت ٹوٹے گی۔

(۲۸)

فرمایا: کیسا غلط رواج ہو گیا ہے دوسرے لوگ ہماری بات مان لیں تو اس کو ہم اپنی کامیابی سمجھتے ہیں اور نہ مانیں تو اس کو ہماری ناکامی سمجھا جاتا ہے حالانکہ اس راہ میں یہ خیال کرنا بالکل ہی غلط ہے۔ دوسروں کا ماننا یا نہ ماننا تو ان کا فعل ہے، ان کے کسی فعل سے ہم کامیاب یا ناکام کیوں کئے جائیں۔ ہماری کامیابی یہی ہے کہ ہم اپنا کام پورا کر دیں، اب اگر دوسروں نے نہ مانا تو یہ ان کی ناکامی ہے، ہم ان کے نہ ماننے سے ناکامیاب کیوں ہو گئے۔ لوگ بھول

Scanned by CamScanner

گئے، وہ منوا دینے کو (جو درحقیقت خدا کا کام ہے) اپنا کام اور اپنی ذمہ داری سمجھنے لگے، حالانکہ ہماری ذمہ داری صرف بطریق اَحسن اپنی کوشش لگا دینا ہے، منوانے کا کام تو پیغمبر کے سپرد بھی نہیں کیا گیا۔

ہاں نہ ماننے سے یہ سبق لینا چاہیے کہ شاید ہماری کوشش میں کمی رہی اور ہم سے حق ادا نہ ہوسکا جس کی وجہ سے اللہ پاک نے یہ نتیجہ ہمیں دکھلایا اور اس کے بعد اپنی کوشش کی مقدار کو بڑھا دینے اور دُعاء توفیق طلبی میں بھی کمّاً و کیفاً اضافہ کرنے کا عزم کر لینا چاہیے۔

(۲۹)

فرمایا: ہمارے عام کارکن جہاں بھی جائیں وہاں کے حقانی علماء و صلحاء کی خدمت میں حاضری کی کوشش کریں لیکن یہ حاضری صرف استفادے کی نیت سے ہو اور ان حضرات کو براہِ راست اس کام کی دعوت نہ دیں۔ وہ حضرات جن دینی مشاغل میں لگے ہوئے ہیں ان کو تو وہ خوب جانتے ہیں اور ان کے منافع کا وہ تجربہ رکھتے ہیں اور تم اپنی یہ بات ان کو اچھی طرح سمجھا نہ سکو گے یعنی تم ان کو اپنی باتوں سے اس کا یقین نہیں دلا سکو گے کہ یہ کام ان کے دوسرے مشاغل سے زیادہ دین کے لئے مفید اور زیادہ منفعت بخش ہے۔ نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ تمہاری بات کو مانیں گے نہیں، اور جب ایک دفعہ ان کی طرف سے ''ناں'' ہو جائے گی تو پھر اس ''ناں'' کا کبھی ''ہاں'' سے بدلنا مشکل ہو جائے گا۔ پھر اس کا ایک بُرا نتیجہ یہ ہو سکتا ہے کہ ان کے عقیدت مند عوام بھی پھر تمہاری بات نہ سنیں، اور یہ بھی ممکن ہے کہ خود تمہارے اندر تذبذب پیدا ہو جائے لیکن ان کے ماحول میں نہایت کام کیا جائے اور اصولوں کی زیادہ سے زیادہ رعایت کی کوشش کی جائے۔ اس طرح اُمید ہے کہ تمہارے کام اور اس کے نتائج کی اطلاعات خود بخود ان کو پہنچیں گی اور وہ ان کے لئے داعی اور ان کی توجہ کی جالب ہو جائیں گی پھر اگر اس کے بعد وہ خود تمہاری طرف اور تمہارے کام کی طرف متوجہ ہوں تو ان سے سرپرستی اور خبر گیری کی درخواست کی جائے اور ان کے دینی ادب و احترام کو ملحوظ رکھتے ہوئے اپنی بات ان سے کہی جائے۔

(۳۰)

فرمایا: اگر کہیں دیکھا جائے کہ وہاں کے علماء اور صلحاء اس کام کی طرف ہمدردانہ طور سے

Scanned by CamScanner

متوجہ نہیں ہوتے تو ان کی طرف سے بدگمانیوں کو دل میں جگہ نہ دی جائے، بلکہ یہ سمجھ لیا جائے کہ چونکہ یہ دین کے خاص خادم ہیں اس لئے شیطان ان کا ہم سے زیادہ گہرا دشمن ہے (چور مایہ (دولت) ہی پر تو آتا ہے) علاوہ اس کے یہ بھی سمجھنے کی بات ہے کہ دنیا جو حقیر و ذلیل چیز ہے جب اس کے گرفتار اپنے دینی مشاغل پر اس کام میں نہیں لگ سکتے تو اہل دین اپنے اعلیٰ دینی مشاغل کو اس کام کے لئے کیسے آسانی سے چھوڑ سکتے ہیں۔ عرفاء (اللہ والوں) نے کہا ہے کہ ''حجابات نورانی حجابات ظلمانی سے بدرجہاء زیادہ شدید ہوتے ہیں۔''

(۳۱)

ایک صحبت میں فرمایا: تبلیغ کے اصولوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ عمومی خطاب میں پوری سختی ہو اور خصوصی خطاب میں نرمی، بلکہ حتی الوسع خصوصی اصلاح کے لئے بھی عمومی خطاب ہی کیا جائے۔ رسولِ اکرم ﷺ کو خاص افراد کا بھی کوئی جرم معلوم ہوتا تھا تو بھی اکثر آپ ﷺ ''ما بال اقوام'' کہہ کر ہی خطاب و عتاب فرماتے۔

(۳۲)

ایک صحبت میں فرمایا: باتوں سے خوش ہو لینا ہماری عادت ہو گئی ہے اور اچھے کام کی باتیں کر لینے کو ہم اصل کام کے قائم مقام سمجھ لیتے ہیں۔ اس عادت کو چھوڑو، کام کرو کام ؎

کارکن کار بگذر از گفتار
کندریں رہ کار وا رد کار

(۳۳)

ایک صحبت میں فرمایا: وقت چلتی ہوئی ایک ریل ہے، گھنٹے، منٹ اور لمحے گویا اس کے ڈبے ہیں، اور ہمارے مشاغل اس میں بیٹھنے والی سواریاں ہیں۔ اب ہمارے دنیوی اور مادی ذلیل مشاغل نے ہماری زندگی کی ریل کے ان ڈبوں پر ایسا قبضہ کر لیا ہے کہ وہ شریف اُخروی مشاغل کو آنے نہیں دیتے۔ ہمارا کام یہ ہے کہ عزیمت سے کام لے کے ان ذلیل اور دُنی (گھٹیا) مشاغل کی جگہ ان شریف اور اعلیٰ مشاغل کو قابض کر دیں و جو خدا کو راضی کرنے والے اور ہماری

Scanned by CamScanner

آخرت کو بنانے والے ہیں۔

(۳۴)

ایک صحبت میں فرمایا: جتنا بھی اچھے سے اچھا کام کرنے کی اللہ توفیق دے ہمیشہ اس کا خاتمہ استغفار پر ہی کیا جائے۔ غرض ہمارے ہر کام کا جزوِ آخر استغفار ہو۔ یعنی یہ سمجھ کر کہ مجھ سے یقیناً اس کی ادائیگی میں کوتاہیاں ہوئی ہیں، ان کوتاہیوں کے لئے اللہ سے معافی مانگی جائے۔ رسول اللہ ﷺ نماز کے ختم پر بھی اللہ سے استغفار کیا کرتے تھے، لہٰذا تبلیغ کا کام بھی ہمیشہ استغفار ہی پر ختم کیا جائے۔ بندہ سے کسی طرح بھی اللہ کے کام کا حق ادا نہیں ہوسکتا، نیز ایک کام میں مشغولیت بہت سے دوسرے کاموں کے نہ ہوسکنے کا بھی باعث بن جاتی ہے، تو اس قسم کی چیزوں کی تلافی کے لئے بھی ہر اچھے کام کے ختم پر استغفار کرنا چاہیے۔

(۳۵)

ایک دن بعد نمازِ فجر جب کہ اس تحریک میں عملی حصہ لینے والوں کا نظام الدین کی مسجد میں بڑا مجمع تھا اور حضرت مولانا کی طبیعت اس قدر کمزور تھی کہ بستر پر لیٹے لیٹے بھی دو چار لفظ بہ آواز نہیں فرما سکتے تھے تو اہتمام سے ایک خاص خادم کو طلب فرمایا اور اس کے واسطے سے اس پوری جماعت کو کہلوایا کہ آپ لوگوں کی یہ ساری چلت پھرت اور ساری جدوجہد بے کار ہوگی اگر اس کے ساتھ علم دین اور ذکر اللہ کا پورا اہتمام آپ نے نہیں کیا (گویا یہ علم و ذکر دو بازو ہیں جن کے بغیر اس فضا میں پرواز نہیں کی جاسکتی) بلکہ سخت خطرہ اور قوی اندیشہ ہے کہ اگر ان دو چیزوں کی طرف سے تغافل برتا گیا تو یہ جدوجہد مبادا فتنے اور ضلالت کا ایک نیا دروازہ نہ بن جائے۔ دین کا اگر علم ہی نہ ہو تو اسلام و ایمان محض رسمی اور اسمی ہیں اور اللہ کے ذکر کے بغیر اگر علم ہو بھی تو وہ سراسر ظلمت ہے اور علیٰ ہذا اگر علم دین کے بغیر ذکر اللہ کی کثرت بھی ہو تو اس میں بھی بڑا خطرہ ہے، الغرض علم میں نور ذکر سے آتا ہے اور بغیر علم دین کے ذکر کے حقیقی برکات و ثمرات حاصل نہیں ہوتے، بلکہ بسا اوقات ایسے جاہل صوفیوں کو شیطان اپنا آلہ کار بنالیتا ہے۔ لہٰذا علم اور ذکر کی اہمیت کو اس سلسلے میں کبھی فراموش نہ کیا جائے اور اس کا ہمیشہ خاص اہتمام رکھا جائے، ورنہ آپ کی یہ تبلیغی تحریک بھی بس ایک آوارہ گردی ہو کر رہ جائے گی، اور خدانکردہ آپ لوگ سخت

Scanned by CamScanner

خسارے میں رہیں گے۔

(حضرت مولانا کا مطلب اس ہدایت سے یہ تھا کہ اس راہ میں کام کرنے والے تبلیغ و دعوت کے سلسلے کی محنت و مشقت، سفر، ہجرت اور ایثار و قربانی ہی کو اصل کام نہ سمجھیں جیسا کہ آج کل عام ہو رہا ہے بلکہ دین کے تعلیم و تعلّم اور ذکر اللہ کی عادت ڈالنے اور اس سے تعلق پیدا کرنے کو اپنا فریضہ سمجھیں۔ بہ الفاظ دیگر اُن کو صرف ''سپاہی'' اور ''والنٹیئر'' بننا نہیں ہے بلکہ طالبِ علم دین اور ''اللہ کا یاد کرنے والا بندہ'' بھی بننا ہے۔)

☆☆☆

Scanned by CamScanner

قسط نمبر ۴

اس قسط کے تمام ملفوظات حضرت مولانا احمد صاحب تھانوی کے مرتب فرمائے ہوئے ہیں

(۳۶)

آخری دفعہ جب میں وسط جون میں حاضر ہوا تو دیکھتے ہی فرمایا:

بہ لبم رسیدہ جانم تو بیا کہ زندہ مانم
پس ازاں کہ من نہ مانم بچہ کار خواہی آمد

مجھ پر اتنا اثر ہوا کہ آبدیدہ ہو گیا۔ پھر فرمایا کہ وعدہ بھی یاد ہے؟ (میں نے وعدہ کیا تھا کہ کچھ دن تبلیغ میں دوں گا) عرض کیا یاد ہے مگر اس وقت تو دہلی میں گرمی بہت ہے، رمضان میں تعطیل ہوگی تو بعد رمضان کے وقت دوں گا۔

فرمایا:

''تم رمضان کی باتیں کرتے ہو یہاں شعبان کی بھی اُمید نہیں۔'' (چنانچہ شعبان آنے میں ایک عشرہ باقی تھا کہ ۲۱ رجب ۱۳۲۳ھ کی صبح کو رفیق اعلیٰ سے جا ملے۔ ''رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی رَحْمَۃَ الْاَبْرَارِ الصَّالِحِیْنَ۔'')

میں نے عرض کیا:

''بہت اچھا، اب میں ٹھہر گیا، آپ دل بُرا نہ کریں، میں ابھی تبلیغ میں وقت دوں گا۔''

یہ سن کر چہرہ خوشی سے چمک اٹھا، میرے گلے میں بانہیں ڈال دیں اور پیشانی کو بوسہ دیا اور دیر تک سینے سے لپٹائے رکھا اور بہت دعائیں دیں۔ پھر فرمایا: تم نے میری طرف رخ تو کیا، بہت سے علماء تو دور دور ہی سے میرے مقصد کو سمجھنا چاہتے ہیں۔ پھر ایک بڑے عالم کا نام لیا کہ وہ تبلیغ میں آج کل بہت حصہ لے رہے ہیں مگر مجھ سے پوچھو تو اب تک بھی وہ میری منشاء کو نہیں سمجھے کیونکہ مجھ سے آج تک بلا واسطہ گفتگو نہیں کی، وسائط سے گفتگو کی ہے، اب میں وسائط سے اپنے منشاء کو کیوں کر سمجھا دوں، خصوصاً جب کہ وسائط بھی ناقص ہوں، اس لئے میں چاہتا ہوں کہ تم کچھ دنوں میرے پاس رہو کہ تو میری منشاء کو سمجھو گے دور رہ کر نہیں سمجھ سکتے، یہ میں جانتا ہوں کہ

Scanned by CamScanner

تم تبلیغ میں حصہ لیتے ہو، جلسوں میں تقریر کرتے ہو، تمہاری تقریر سے نفع بھی ہوتا ہے، مگر یہ تبلیغ وہ نہیں جو میں چاہتا ہوں۔

(۳۷)

ایک صحبت میں فرمایا: حدیث میں ہے: ''اَلدُّنْیَا سِجْنُ الْمُؤْمِنِ وَجَنَّۃُ الْکَافِرِ۔'' اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم دنیا میں نفس کی حمایت اور نفسانی خواہشات کے مطابق چلنے کے لئے نہیں بھیجے گئے جس سے یہ دنیا آدمی کے لئے جنت بن جاتی ہے بلکہ ہم نفس کی مخالفت اور احکامِ الٰہی کی اطاعت کے لئے بھیجے گئے ہیں جس سے یہ دنیا ''مؤمن'' کے لئے ''سجن'' (جیل خانہ) بن جاتی ہے، پس اگر ہم بھی کفار کی طرح نفس کی حمایت وموافقت کر کے دنیا کو اپنے لئے جنت بنائیں گے تو ہم جنت کفار کے غاصب ہوں گے اور اس صورت میں نصرت حق غاصب کے ساتھ نہ ہوگی۔ فرمایا اس میں اچھی طرح غور کرو۔

(۳۸)

فرمایا: لوگ میری تبلیغ کی برکات دیکھ کر یہ سمجھتے ہیں کہ کام ہو رہا ہے، حالانکہ کام اور چیز ہے اور برکات اور چیز ہیں۔ دیکھو رسول اللہ ﷺ کی ولادت شریفہ ہی سے برکات کا ظہور ہونے لگا تھا مگر کام بہت بعد میں شروع ہوا، اسی طرح یہاں سمجھو، میں سچ کہتا ہوں کہ ابھی تک اصلی کام شروع نہیں ہوا، جس دن کام شروع ہو جائے گا تو مسلمان سات سو برس پہلے کی حالت کی طرف لوٹ جائیں گے، اور اگر کام شروع نہ ہوا بلکہ اسی حالت پر رہا جس پر اب تک ہے اور لوگوں نے اس کو منجملہ تحریکات کے ایک تحریک سمجھ لیا اور کام کرنے والے اس راہ میں بچل (درمیان میں رہ) گئے تو جو فتنے صدیوں میں آتے وہ مہینوں میں آجائیں گے، اس لئے اس کو سمجھنے کی ضرورت ہے۔

(۳۹)

ایک جمعہ کو مسجد اسمبلی دہلی میں قبل نماز جمعہ میرا بیان ہوا۔ مولانا ہی کی تجویز تھی کہ وہاں بیان ہونا چاہیے۔ نماز کے بعد میں اسی روز نظام الدین واپس نہ ہوا، اپنے اعزہ کے پاس رات کو

Scanned by CamScanner

رہ گیا، اگلے دن نظام الدین پہنچا اور معذرت کی کہ اعزہ کے اصرار کی وجہ سے رات کو دہلی رہ گیا تھا۔ فرمایا ارے مولانا! اس معذرت کی ضرورت نہیں، کام میں لگنے والوں کو ایسے اعذار پیش آیا ہی کرتے ہیں، اس کی پروا نہیں، اچھا یہ بتلاؤ مسجد اسمبلی میں وعظ ہوا تھا؟ عرض کی جی ہاں ہوا تھا، بہت خوش ہوئے اور فرمایا دیکھو یہ لوگ خود اپنی طلب سے ہم کو نہیں بلاتے۔ ان کو دنیا ہی سے فرصت نہیں، ان کے پاس ہم کو بلا طلب خود جا کر تبلیغ کرنا چاہیے۔

پھر دریافت فرمایا کیا بیان ہوا تھا؟ عرض کیا کہ آیت ''اِنَّ فِی خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الْاَلْبَابِ الَّذِیْنَ یَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِیَامًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰی جُنُوْبِهِمْ'' سے یہ ثابت کر کے کہ عقلاء وہ ہیں جو نظامِ عالم میں غور کر کے اس کے خالق کو پہچانتے اور ہر وقت اس کی یاد میں رہتے ہیں نہ وہ جو زمین و آفتاب کی گردش ہی کے چکر میں رہ جائیں اور خالق تک نہ پہنچیں۔ ذکر اللہ کی ضرورت اور اس کی حقیقت واضح کی، پھر تبلیغ کی ضرورت پر زور دیا تھا۔ فرمایا یہ مضمون بہت اونچا تھا، اس مجمع کے مناسب نہ تھا، اس مضمون کے اہل یہاں پر جمع ہیں، اس کو یہاں کسی وقت بیان کرنا چاہیے۔ اس مجمع کے مناسب دوسری آیت تھی ''وَالَّذِیْنَ اجْتَنَبُوا الطَّاغُوْتَ اَنْ یَّعْبُدُوْهَا وَاَنَابُوْٓا اِلَی اللّٰهِ لَهُمُ الْبُشْرٰی فَبَشِّرْ عِبَادِ الَّذِیْنَ یَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ فَیَتَّبِعُوْنَ اَحْسَنَهٗ اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ هَدٰىهُمُ اللّٰهُ وَاُولٰٓئِكَ هُمْ اُولُوا الْاَلْبَابِ'' فرمایا یہ طبقہ نیچے کے درجے کا ہے جس پر لفظ ''هَدٰىهُمُ اللّٰهُ'' دال ہے۔ عرض کیا سچ ہے، پھر موقع ہوا تو وہاں اسی کو بیان کروں گا۔

(۴۰)

ایک صحبت میں فرمایا: ہماری تبلیغ کا اصل مقصد طاغوت سے ہٹنا اور اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنا ہے اور یہ بدوں قربانی کے نہیں ہو سکتا، دین میں جان کی بھی قربانی ہے اور مال کی بھی۔ سفرِ تبلیغ میں جان کی قربانی یہ ہے کہ اللہ کے واسطے اپنے وطن کو چھوڑے اور اللہ کے کلمے کو پھیلائے، دین کی اشاعت کرے، مال کی قربانی یہ ہے کہ سفرِ تبلیغ کا خرچ خود بخود برداشت کرے اور جو کسی مجبوری کی وجہ سے کسی زمانے میں خود نہ نکل سکے وہ خصوصیت سے اس زمانے میں دوسروں کو تبلیغ میں نکلنے کی ترغیب دے، اوروں کو بھیجنے کی کوشش کرے۔ اس طرح ''اَلدَّالُّ عَلٰی

Scanned by CamScanner

الْخَیْرِ کَفَاعِلِہٖ'' کی بناء پر جتنوں کو یہ بھیجے گا ان سب کی کوششوں کا ثواب اس کو بھی ملے گا اور اگر نکلنے والوں کی امداد مالی بھی کرے گا تو مالی قربانی کا بھی اس کو ثواب ملے گا۔ پھر ان جانے والوں کو اپنا محسن سمجھنا چاہیے کہ جو کام ہمارے کرنے کا تھا مگر کسی عذر کی وجہ سے اس وقت نہیں کر سکے تو یہ حضرات ہمارے فرض کو ادا کر رہے ہیں۔ دین یہی ہے کہ قاعدین و معذورین، مجاہدین کو اپنا محسن سمجھیں۔

(۴۱)

ایک بار فرمایا: مولانا ہماری تبلیغ میں علم و ذکر کی بڑی اہمیت ہے۔ بدوں علم کے نہ عمل کی معرفت، اور بدوں ذکر کے علم ظلمت ہی ظلمت ہے اس میں نور نہیں ہو سکتا، مگر ہمارے کام کرنے والوں میں اس کی کمی ہے۔ میں نے عرض کیا کہ تبلیغ خود بہت اہم فریضہ ہے اس کی وجہ سے ذکر میں کمی ہونا ویسا ہی ہے جیسا حضرت سید صاحب بریلویؒ قدس سرہٗ نے جس وقت جہاد کی تیاری کے لئے اپنے خدام کو بجائے ذکر و شغل کے نشانہ بازی اور گھوڑے کی سواری میں مشغول کر دیا تو بعض نے یہ شکایت کی کہ اس وقت پہلے جیسے انوار نہیں ہیں، تو حضرت سیّد صاحبؒ نے فرمایا کہ ہاں اس وقت ذکر کے انوار نہیں ہیں، جہاد کے انوار ہیں اور اس وقت اسی کی ضرورت ہے۔ فرمایا: مگر مجھے علم اور ذکر کی کمی قلق ہے اور یہ کمی اس واسطے ہے کہ اب تک اہم علم اور اہل ذکر اس میں نہیں لگے ہیں۔ اگر یہ حضرت آ کر اپنے ہاتھ میں کام لے لیں تو یہ کمی بھی پوری ہو جائے مگر علماء اور اہل ذکر تو ابھی تک اس میں بہت کم آئے ہیں۔

تشریح:

اب تک جو جماعتیں تبلیغ کے لئے روانہ کی جاتی ہیں ان میں اہل علم اور اہل نسبت کی کمی ہے جس کا حضرت کو قلق تھا، کاش اہل علم اور اہل نسبت بھی ان جماعتوں میں شامل ہو کر کام کریں تو یہ کمی پوری ہو جائے۔ الحمد للہ مرکز تبلیغ میں اہل علم اور اہل نسبت موجود ہیں مگر وہ چند گنتی کے آدمی ہیں، اگر وہ ہر جماعت کے ساتھ جایا کریں تو مرکز کا کام کون سرانجام دے۔

(۴۲)

ایک خط میں مولانا سیّد ابوالحسن علی ندوی کا یہ فقرہ تھا کہ مسلمان دو ہی قسم کے ہو سکتے ہیں

Scanned by CamScanner

تیسری کوئی قسم نہیں، یا اللہ کے راستہ میں خود نکلنے والے ہوں یا نکلنے والوں کی مدد کرنے والے ہوں۔ فرمایا بہت خوب سمجھے ہیں۔ پھر فرمایا کہ نکلنے والوں کی مدد میں یہ بھی داخل ہے کہ لوگوں کو نکلنے پر آمادہ کرے، اور ان کو بتلائے کہ تمہارے نکلنے سے فلاں عالم کے درس بخاری یا درس قرآن کا حرج نہ ہوگا تو تم کو بھی اس کے درس کا ثواب ملے گا۔ اس قسم کی نیتوں سے لوگوں کو آگاہ کرنا چاہیے اور ثواب کے راستے بتلانے چاہئیں۔

(۴۳)

ایک بار فرمایا: مولانا ہماری تبلیغ کا حاصل یہ ہے کہ عام دین دار مسلمان اپنے اوپر والوں سے دین کو لیں اور اپنے نیچے والوں کو دیں مگر نیچے والوں کو اپنا محسن سمجھیں۔ کیونکہ جتنا ہم کلمے کو پہنچائیں گے اس سے خود ہمارا کلمہ بھی کامل اور منور ہوگا اور جتنوں کو ہم نمازی بنائیں گے اس سے خود ہماری نماز بھی کامل ہوگی (تبلیغ کا یہ بُرا گر ہے کہ اس سے مبلغ کو اپنی تکمیل مقصود ہو، دوسروں کے لئے اپنے کو ہادی نہ سمجھے کیونکہ ہادی اللہ تعالیٰ کے سواء کوئی نہیں)۔

(۴۴)

ایک بار فرمایا: حدیث میں ہے: ''مَنْ لَّا یَرْحَمْ لَا یُرْحَمْ اِرْحَمُوْا مَنْ فِی الْاَرْضِ یَرْحَمْکُمْ مَنْ فِی السَّمَآءِ'' مگر افسوس! لوگوں نے اس حدیث کو بھوک اور فاقے والوں پر رحم کے ساتھ مخصوص کر لیا ہے اس لئے اس کو اس شخص پر رحم آتا ہے جو بھوکا ہو، پیاسا ہو، ننگا ہو، مگر مسلمانوں کی دین سے محرومی پر رحم نہیں آتا۔ گویا دنیا کے نقصان کو نقصان سمجھا جاتا ہے لیکن دین کے نقصان کو نقصان نہیں سمجھا جاتا، پھر ہم پر آسمان والا کیوں رحم کرے، جب ہمیں مسلمانوں کی دینی حالت کے ابتر ہونے پر رحم نہیں۔ فرمایا: ہماری اس تبلیغ کی بنیاد اسی رحم پر ہے، اس لئے یہ کام شفقت اور رحم ہی کے ساتھ ہونا چاہیے، اگر مبلغ اس لئے تبلیغ کر رہا ہے کہ اس کو اپنے بھائیوں کی دینی حالت کے ابتر ہونے کا صدمہ ہے تو یقیناً وہ رحم اور شفقت کے ساتھ اپنے فریضے کو انجام دے گا، لیکن اگر یہ منشاء نہیں کچھ اور منشاء ہے تو پھر تکبر و عجب میں مبتلا ہوگا، جس سے نفع کی امید نہیں، نیز جو شخص اس حدیث کو پیش نظر رکھ کر تبلیغ کرے گا اس میں خلوص بھی ہوگا، اس کی نظر اپنے عیوب پر نظر کے ساتھ ان کی اسلامی خوبیوں پر بھی نظر ہوگی تو یہ شخص اپنے نفع کا حامی نہ ہوگا بلکہ

Scanned by CamScanner

شا کی ہوگا، اور اس تبلیغ کا گریہی ہے کہ حمایت نفس سے الگ ہو کر شکایتِ نفس کا سبو ہمیشہ پیشِ نظر رہے۔

(۴۵)

ایک بار فرمایا: مولانا احکامِ الٰہیہ کا تفقد لازم ہے، برابر تفقد میں لگا رہنا چاہیے۔ مثلاً کسی کام میں مشغول ہونے سے پہلے سوچنا چاہیے کہ اشتغال دو چیزوں کو چاہتا ہے۔ ایک اس کام پر توجہ کو جس میں مشغول ہونا چاہتا ہے، دوسرے اور کاموں سے اس وقت غفلت کو، تو اب سوچنا چاہیے کہ جن کاموں سے اس وقت غفلت ہوگی ان میں کوئی اس کام سے تو اہم نہیں جس میں اشتغال ہوگا، اور یہ بدون تفقد کے نہیں ہوسکتا۔

(۴۶)

ایک بار فرمایا: نماز سے پہلے کچھ دیر نماز کا مراقبہ کرنا چاہیے جو نماز بلا انتظار کے ہو وہ پھُس پھسی ہے، تو نماز سے پہلے نماز کو سوچنا چاہیے۔

فائدہ:

شریعت نے اسی واسطے فرائض سے پہلے سنن ونوافل واقامت وغیرہ مشروع کئے ہیں تاکہ نماز کا مراقبہ اچھی طرح ہوجائے پھر فرض ادا کیا جائے۔ مگر ہم نہ تو سُنن ونوافل اور اقامت وغیرہ کے ان فوائد اور مصالح کو سمجھتے ہیں اور نہ ان سے یہ فائدے حاصل کرتے ہیں اس لئے ہمارے فرائض بھی ناقص ادا ہوتے ہیں۔

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ تَمَامَ الْوُضُوْءِ وَتَمَامَ الصَّلٰوۃِ وَتَمَامَ مَرْضَوَانِکَ اٰمِیْنَ۔

(۴۷)

ایک بار فرمایا: تبلیغ میں کام کرنے والوں کو اپنے قلب میں وسعت پیدا کرنی چاہیے، جو اللہ کی وسعت ورحمت پر نظر کرکے پیدا ہوگی اس کے بعد تربیت کا اہتمام کرنا چاہیے۔

(۴۸)

ایک بار فرمایا: سیدنا رسول اللہ ﷺ ابتدائے اسلام کے زمانہ میں (جب دین ضعیف تھا

Scanned by CamScanner

اور دنیا قوی تھی) بے طلب لوگوں کے گھر جا جا کر ان کی مجالس میں بلا طلب پہنچ کر دعوت دیتے تھے طلب کے منتظر نہیں رہے۔ بعض مقامات پر حضرات صحابہ کرامؓ کو از خود بھیجا ہے کہ فلاں جگہ تبلیغ کرو۔ اس وقت وہی ضعف کی حالت ہے تو اب ہم کو بھی بے طلب لوگوں کے پاس خود جانا چاہیے، ملحدوں، فاسقوں کے مجمع میں پہنچنا چاہیے اور کلمۂ حق بلند کرنا چاہیے (پھر خشکی غالب ہوگئی اور بات نہ کر سکے تو فرمایا) مولانا تم میرے پاس بہت دیر میں پہنچے، اب میں تفصیل سے کچھ نہیں کہہ سکتا، بس جو کچھ کہہ دیا اسی میں غور کرتے رہیے۔

(۴۹)

ایک بار فرمایا: میں ابتداء میں اس طرح ذکر کی تعلیم دیتا ہوں ہر نماز کے بعد تسبیح فاطمہؓ اور تیسرا کلمہ ''سُبْحَانَ اللّٰہِ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ وَلَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ'' اور صبح وشام سو سو بار درود شریف و استغفار و تلاوت قرآن مع تصحیح قرأت اور نوافل میں تہجد کی تاکید اور اہل ذکر کے پاس جانا۔ علم بدوں ذکر کے ظلمت ہے اور ذکر بدوں علم کے بہت سے فتنوں کا دروازہ ہے۔

(۵۰)

ایک بار فرمایا: خواب نبوت کا چھیالیسواں حصہ ہے۔ بعض لوگوں کو خواب میں ایسی ترقی ہوتی ہے کہ ریاضت و مجاہدے سے نہیں ہوتی، کیونکہ ان کو خواب میں علوم صحیحہ القاء ہوتے ہیں جو نبوت کا حصہ ہے، پھر ترقی کیوں نہ ہوگی (علم سے معرفت بڑھتی ہے اور معرفت سے قرب بڑھتا ہے) اسی لئے ارشاد ہے۔

پھر فرمایا: آج کل خواب میں مجھ پر علوم صحیحہ کا القاء ہوتا ہے اس لئے کوشش کرو کہ مجھے نیند زیادہ آئے (خشکی کی وجہ سے نیند کم ہونے لگی تھی تو میں نے حکیم صاحب اور ڈاکٹر صاحب کے مشورہ سے سر میں تیل کی مالش کرائی جس سے نیند میں ترقی ہوگئی) آپ نے فرمایا کہ اس تبلیغ کا طریقہ بھی مجھ پر خواب میں منکشف ہوا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ''کُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّۃٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْھَوْنَ عَنِ الْمُنْکَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ'' کی تفسیر میں القاء ہوئی کہ تم (یعنی امت مسلمہ) مثل انبیاءؑ کے لوگوں کے واسطے ظاہر کئے گئے ہو (اور اس مطلب کو ''اُخْرِجَتْ''

Scanned by CamScanner

سے تعبیر کرنے میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ ایک جگہ جم کر کام نہ ہوگا بلکہ در بدر نکلنے کی ضرورت ہوگی) تمہارا کام امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہے۔ اس کے بعد ''تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ'' فرما کر یہ بتلایا ہے کہ اس امر بالمعروف سے خود تمہارے ایمان کو ترقی ہوگی (اور نفس ایمان کا حصول تو ''كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ'' ہی سے معلوم ہو چکا ہے) پس دوسرے کی ہدایت کا قصد نہ کرو، اپنے نفع کی نیت کرو، اور ''اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ'' میں ''النَّاسِ'' سے مراد عرب نہیں بلکہ غیر عرب ہیں، کیونکہ عرب کے متعلق ''لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيْطِرٍ وَمَا اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِوَكِيْلٍ'' فرما کر بتلا دیا گیا تھا کہ اُن کے متعلق ہدایات کا ارادہ ہو چکا ہے، آپ ﷺ ان کی زیادہ فکر نہ کریں۔ ہاں ''كُنْتُمْ اُمَّةٍ'' کے مخاطب اہل عرب اور ''اَلنَّاسِ'' سے مراد دوسرے لوگ ہیں جو عرب نہیں چنانچہ اس کے بعد ''وَلَوْ اٰمَنَ اَهْلُ الْكِتٰبِ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ'' اس پر قرینہ ہے، اور یہاں ''لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ'' فرمایا ''لَكَانَ خَيْرًا لَّكُمْ'' نہیں فرمایا، کیونکہ مبلغ کو تو تبلیغ ہی سے اپنے ایمان کی تکمیل کا فائدہ حاصل ہو جاتا ہے خواہ مخاطب قبول کرے یا نہ کرے۔ اگر مخاطب تبلیغ کا اثر قبول کر کے ایمان لے آئے تو اس کا اپنا بھی فائدہ ہوگا، مبلغ کا فائدہ اس پر موقوف نہیں۔

(۵۱)

ایک بار فرمایا: زکوٰۃ کا درجہ ہدیے سے کمتر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ پر صدقہ حرام تھا، ہدیہ حرام نہ تھا، اور اگرچہ زکوٰۃ فرض ہے اور ہدیہ مستحب ہے مگر بعض دفعہ مستحب کا اجر فرض سے بڑھ جاتا ہے جیسے ابتداء سلام کرنا سُنت ہے اور جواب دینا فرض ہے، مگر ابتدائے سلام جواب سے بہتر ہے۔ اسی طرح زکوٰۃ گو فرض ہے مگر اس کا ثمرہ کے لحاظ سے یہ افضل ہے کیونکہ تطہیر مال سے تطیب قلب مسلم ہے۔ تو ثمرہ تطہیرہ مال ہے اور ہدیہ گو مستحب ہے، مگر اس کا ثمرہ تطیبِ قلبِ مسلم ہے۔ تو ثمرہ کے لحاظ سے یہ افضل ہے کیونکہ تطہیر مال سے تطیب قلبِ مسلم کا درجہ بڑھا ہوا ہے، اور زکوٰۃ سے بھی اگرچہ مسلمان حاجتمند کی تطیب قلب ہو جاتی ہے مگر مقصود نہیں بلکہ تبعاً حاصل ہو جاتی ہے، اور ہدیہ سے اصل مقصود ہی تطیب قلبِ مسلم ہے، پھر فرمایا کہ زکوٰۃ دینے والوں پر تفقد مصرف لازم ہے، جیسے نماز پڑھنے والے پر پاک پانی کا تلاش کرنا لازم ہے اور صحیح مصرف زکوٰۃ وہ ہے جس میں زکوٰۃ کا روپیہ لینے سے طمع مال پیدا نہ ہو۔ شریعت کا زکوٰۃ

Scanned by CamScanner

(فر)ض کرنے سے یہ ہرگز مقصود نہیں کہ غریب مسلمانوں میں مال کی حرص وطمع پیدا ہو جائے کہ لوگوں کی خیرات و زکوٰۃ کے منتظر رہا کریں۔ پس جو شخص اللہ پر بھروسہ کر کے صبر اختیار کرتا ہے جس قدر وہ صبر و توکل کرے گا اسی قدر اہل اموال پر بقدر اس کے صبر کے اس کی امداد لازم ہوتی ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے:

لِلْفُقَرَآءِ الَّذِيْنَ اُحْصِرُوْا فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ضَرْبًا فِى الْاَرْضِ يَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ اَغْنِيَآءَ مِنَ التَّعَفُّفِ۔

توضیح مصرف زکوٰۃ وہ لوگ ہیں جو اللہ کے کام میں لگے ہوئے ہیں اور صبر سے اللہ پر بھروسہ کئے ہوئے ہیں، کسی سے سوال نہیں کرتے نہ کسی سے طمع رکھتے ہیں۔ مگر آج کل اہل اموال پیشہ ور سائلوں کو زکوٰۃ دے کر سمجھ لیتے ہیں کہ زکوٰۃ ادا کرنے کے بعد بھی اموال میں برکت نہیں، حالانکہ قطعی وعدہ ہے کہ زکوٰۃ سے مال میں برکت ہوتی ہے۔ پس جو لوگ زکوٰۃ کے بعد اپنے مال میں برکت مشاہدہ نہ کریں ان کو سمجھ لینا چاہیے کہ زکوٰۃ مصرف میں نہیں دی گئی اور انہوں نے مصرف کا تفقد نہیں کیا۔

(۵۲)

ایک بار فرمایا: مسلمانوں کو علماء کی خدمت چار نیتوں سے کرنی چاہیے۔

۱: اسلام کی جہت سے چنانچہ محض اسلام کی وجہ سے کوئی مسلمان کسی مسلمان کی زیارت کو جائے یعنی محض حسبۃ اللہ ملاقات کرے تو ستر ہزار فرشتے اس کے پاؤں تلے اپنے پر اور بازو بچھا دیتے ہیں تو جب مطلقاً ہر مسلمان کی زیارت میں یہ فضیلت ہے تو علماء کی زیارت میں بھی فضیلت ضروری ہے۔

۲: یہ کہ ان کے قلوب و اجسام حامل علوم نبوت ہیں، اس جہت سے وہ قابل تعظیم اور لائق خدمت ہیں۔

۳: یہ کہ وہ ہمارے دینی کاموں کی نگرانی کرنے والے ہیں۔

۴: ان کی ضروریات کے تفقد کے لئے۔ کیونکہ اگر دوسرے مسلمان ان کی دنیوی ضرورتوں کا تفقد معلوم کر کے ان ضرورتوں کو پورا کر دیں جن کو اہل اموال پورا کر سکتے ہیں تو علماء

Scanned by CamScanner

اپنی ضرورتوں میں وقت صَرف کرنے سے بچ جائیں گے اور وہ وقت بھی خدمتِ علم و دین میں خرچ کریں گے تو اہل اموال کو ان کے ان اعمال کا ثواب ملے گا۔

مگر عام مسلمانوں کو چاہیے کہ معتمد علماء کی تربیت اور نگرانی میں علماء کی خدمت کا فرض ادا کریں، کیونکہ ان کو خود اس کا علم نہیں ہوسکتا کہ کون زیادہ مستحقِ امداد ہے کون کم (اور کسی کو خود اپنے تفقد سے اس کا علم ہو سکے تو وہ خود تفقد کرے)۔

(۵۳)

فرمایا: مسلمان دعاء سے بہت غافل ہیں، اور جو کرتے بھی ہیں ان کو دعا کی حقیقت معلوم نہیں۔ مسلمانوں کے سامنے دعا کی حقیقت کو واضح کرنا چاہیے۔

''دعاء کی حقیقت ہے اپنی حاجتوں کو بلند بارگاہ میں پیش کرنا، پس جتنی بلند وہ بارگاہ ہے اتنا ہی دعاؤں کے وقت دل کو متوجہ کرنا اور الفاظِ دعا کو تضرع وزاری سے ادا کرنا چاہیے اور یقین واذعان کے ساتھ دعاء کرنی چاہیے کہ ضرور قبول ہوگی، کیونکہ جس سے مانگا جارہا ہے وہ بہت سخی اور کریم ہے، اپنے بندوں پر رحیم ہے۔ زمین آسمان کے خزانے سب اسی کے قبضۂ قدرت میں ہیں۔''

(۵۴) الف

ایک بار فرمایا: جو وفود سہارن پور، دیوبند وغیرہ تبلیغ کے لئے جارہے ہیں ان کے ہمراہ تجار دہلی کے خطوط کر دیئے جائیں جن میں نیاز مندانہ لہجہ میں حضرات علماء سے عرض کیا جائے کہ وہ وفود عوام میں تبلیغ کے لئے حاضر ہورہے ہیں آپ حضرات کے اوقات بہت قیمتی ہیں اگر ان میں سے کچھ وقت اس قافلے کی سرپرستی میں دے سکیں جس میں آپ کا اور طلباء کا حرج نہ ہو تو اس کی سرپرستی فرمائیں، اور طلباء کو اس کام میں اپنی نگرانی میں ساتھ لیں۔ طلباء کو از خود بدوں اساتذہ کی نگرانی کے اس کام میں حصہ نہ لینا چاہیے، اور قافلے والوں کو یعنی وفود تبلیغ کو نصیحت کی جائے کہ اگر حضرات علماء توجہ میں کمی کریں تو ان کے دلوں میں علماء پر اعتراض نہ آنے پائے بلکہ یہ سمجھ لیں کہ علماء ہم سے بھی زیادہ اہم کام میں مشغول ہیں، وہ راتوں کو بھی خدمت علم میں مشغول رہتے ہیں جب کہ دوسرے آرام کی نیند سوتے ہیں، اور ان کی عدم توجہ کو اپنی کوتاہی پر محمول کریں کہ ہم نے

Scanned by CamScanner

ان کے پاس آمد و رفت کم کی ہے اس لئے وہ ہم سے زیادہ ان لوگوں پر متوجہ ہیں جو سالہا سال کے لئے ان کے پاس آ پڑے ہیں۔ پھر فرمایا کہ:

ایک عام مسلمان کی طرف سے بھی بلا وجہ بدگمانی ہلاکت میں ڈالنے والی ہے، اور علماء پر اعتراض تو بہت سخت چیز ہے۔

(۵۴) ب

پھر فرمایا: ہمارے طریقۂ تبلیغ میں عزتِ مسلم اور احترامِ علماء بنیادی چیز ہے، ہر مسلمان کی بوجہ اسلام کے عزت کرنی چاہیے، اور علماء کا بوجہ علم دن کے بہت احترام کرنا چاہیے۔ پھر فرمایا کہ:

''علم اور ذکر کا کام ابھی تک ہمارے مبلغین کے قبضے میں نہیں آیا اس کی مجھے بڑی فکر ہے، اور اس کا طریقہ یہی ہے کہ ان لوگوں کو اہل علم اور اہل ذکر کے پاس بھیجا جائے کہ ان کی سرپرستی میں تبلیغ بھی کریں اور ان کے علم و صحبت سے بھی مستفید ہوں۔

(۵۵)

ایک دن میں آنے والے مہمانوں سے گفتگو میں زیادہ مشغول رہا، مولانا کی خدمت میں زیادہ نہ بیٹھا، ظہر کے بعد حاضر خدمت ہوا تو فرمایا:

''تم کو زیادہ میرے پاس رہنا چاہیے۔''

عرض کیا کہ آج آنے والوں کا زیادہ ہجوم تھا، میں نے ان کو اپنے پاس رکھا اور تبلیغ پر ان سے باتیں کرتا رہا تا کہ آپ کے پاس زیادہ ہجوم نہ ہو اور آپ کو زیادہ بولنا نہ پڑے۔ فرمایا:

''اس کی بھی یہی صورت تھی کہ تم میرے پاس رہتے میں تم سے دل کی بات کرتا رہتا، تم دوسروں کو پہنچا دیتے، اس طرح میرے دل کا کانٹا تو نکل جاتا۔ تم میرے پاس رہو، میری باتوں کو سنتے رہو اور دوسروں کو پہنچاؤ تا کہ مجھے کسی سے خطاب نہ کرنا پڑے۔ بعضے لوگ مجھ سے کہتے ہیں کہ ہم تجھ کو بولنے نہ دیں گے، مگر جب تک میرے دل کا کانٹا نہ نکل جائے میں کیسے چپ ہو جاؤں میں ہرگز چپ نہ رہوں گا، چاہے مر جاؤں۔''

(۵۶)

ایک بار فرمایا: حضرت مولانا تھانویؒ نے بہت بڑا کام کیا ہے، میرا دل چاہتا ہے کہ تعلیم تو

Scanned by CamScanner

ان کی ہو اور طریقہ تبلیغ میرا ہو کہ اس طرح اس کی تعلیم عام ہو جائے گی۔ پھر فرمایا:

''وعظ میں احکام شرعیہ کی مصالح و علل بیان نہ کرو، بس تین چیزوں کو مدنظر رکھنے کی لوگوں کو تعلیم کی جائے۔ ایک یہ کہ ہر عمل میں رضائے حق کا قصد کریں، اور آخرت کا یقین رکھیں۔ جو عمل بھی ہو رضائے حق کے لئے اور یقین آخرت کے ساتھ ہو کہ یہ آخرت میں مفید ہوگا۔ وہاں اس سے ثواب ملے گا یا عذاب دفع ہوگا۔ اس کے ساتھ کسی ایسے نفع کا قصد نہ ہو جو موت سے پہلے دنیا میں حاصل ہونے والا ہے۔ وہ تو رونگے کے طور پر خود ہی حاصل ہو جاتے، وہ مقصود نہیں ہیں۔ گو ان کا حصول یقینی ہے اور اس کا یقین رکھنا بھی لازم ہے مگر عمل سے ان کا قصد نہ کیا جائے۔ پھر فرمایا ہاں جس جگہ اس کی ضرورت ہو وہاں اسرار و مصالح کے بیان کا مضائقہ بھی نہیں مگر ہر جگہ بیان نہ کیا جائے۔

(۵۷)

ایک بار فرمایا: حضرت مولانا تھانویؒ کے لوگوں کی مجھے بہت قدر ہے کیونکہ وہ قریب العہد ہیں، اسی وجہ سے تم میری باتیں جلدی سمجھ جاتے ہو کہ مولانا کی باتیں سن چکے ہو اور تازہ سنی ہوئی ہیں۔ پھر فرمایا تمہاری وجہ سے میرے کام میں بہت برکت ہوئی، میری بہت جی خوش ہوا۔ پھر بہت دعائیں دیں اور فرمایا تم خود بھی رو رو کر اس نعمت کا شکر کرو۔

اَللّٰھُمَّ مَا اَصْبَحَتْ بِیْ اَوْ اَمْسَتْ بِیْ مِنْ نِّعْمَۃٍ اَوْ بِاَحَدٍ مِّنْ خَلْقِكَ فَمِنْكَ وَحْدَكَ لَا شَرِیْكَ لَكَ اَلْحَمْدُ وَلَكَ الشُّكْرُ۔

(۵۸)

فرمایا: تبلیغ کے کام کے لئے سادات کو زیادہ کوشش کے ساتھ اٹھایا جائے اور آگے بڑھایا جائے۔ حدیث ''تَرَكْتُ فِیْكُمْ ثَقَلَیْنِ كِتَابَ اللّٰهِ وَعِتْرَتِیْ اَهْلَ بَیْتِیْ'' کا یہی مقتضاء ہے۔ ان بزرگوں سے دین کا کام پہلے بھی بہت ہوا ہے اور آئندہ بھی انہی سے زیادہ اُمید ہے۔

(۵۹)

ایک دن فرمایا: کسی مسلمان کو کسی سے اللہ کے لئے محبت ہو یا اس سے کسی مسلمان کو اللہ

Scanned by CamScanner

کے لئے سچی محبت ہو تو یہ محبت اور حسن ظن ہی آخرت کے لئے ذخیرہ ہے۔ مسلمانوں کو جو مجھ سے محبت ہے اس سے کچھ اُمید ہوتی ہے کہ ان شاء اللہ وہاں بھی پردہ پوشی ہو جائے گی۔

پھر فرمایا: اپنی تہی دستی کا یقین ہی کامیابی ہے، کوئی بھی اپنے عمل سے کامیاب نہ ہوگا۔ محض اللہ کے فضل سے کامیاب ہوگا۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں:

لَنْ يَّدْخُلَ الْجَنَّةَ اَحَدٌ بِعِلْمِهٖ قَالُوْا وَلَا اَنْتَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ وَلَا اَنَا اِلَّا اَنْ يَّتَغَمَّدَنِيَ اللّٰهُ بِرَحْمَتِهٖ۔

یہ حدیث پڑھ کر مولانا خود بھی روئے اور دوسروں کو بھی رُلایا۔

(۶۰)

ایک بار فرمایا: مولانا! علماء اس طرف نہیں آتے ہیں کیا کروں؟ ہائے اللہ میں کیا کروں؟ عرض کیا سب آجائیں گے آپ دُعاء کریں۔ فرمایا میں دعاء بھی نہیں کر سکتا، تم ہی دُعاء کرو، پھر یہ اشعار پڑھے ؎

اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ مِنْ قَوْلٍ بِلَا عَمَلٍ
لَقَدْ نَمَتْ بِهٖ نَسْلًا لِذِی عَقْمٍ
ظَلَمْتُ سَنَةً مَنْ اَحْیَ الظَّلَامُ
اِنِ اشْتَكَتْ قَدَ مَاهُ الضُّرَّ مِنْ وَرْدَمٍ

اس کے بعد آبدیدہ ہو گئے اور فرمایا قصیدۂ بردہ ہمارے یہاں نصاب علماء میں داخل ہے مگر ادبیت کے لحاظ سے نہیں بلکہ رقتِ قلب اور زیادت محبت نبویہ کے لئے داخل کیا گیا ہے۔

(۶۱)

فرمایا: اسلام میں ایک تو وسعت کا درجہ ہے، یہ وسعت تو اتنی ہے کہ مسلمان کے گھر پیدا ہو جانا دارالاسلام میں پیدا ہونا، خیر ابوین کا تابع ہونا بھی مسلمان شمار کئے جانے کے لئے کافی ہے، اور اس وسعت کے ساتھ مخلوق کو اس میں داخل کرنے کے بعد پھر حتی الوسع اس کو وسعت کے ساتھ مخلوق کو اس نکلنے بھی نہیں دیتے کہ اگر کسی کے کلام میں ننانوے وجوہ کفر موجود ہوں اور ایک

Scanned by CamScanner

وجہ اسلام کی ہو تو اس کو مسلمان ہی کہا جائے گا مگر یہ حقیقی اسلام نہیں بلکہ رسمی ہے۔ حقیقی اسلام یہ ہے کہ اس کا اعتقاد کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ کی بندگی کا عزم وارادہ دل میں پیدا ہو، معبود کو راضی کرنے کی فکروں کو لگ جائے، ہر وقت یہ دُھن رہے کہ ہائے وہ مجھ سے راضی ہے یا نہیں؟

(۶۲)

فرمایا: دو چیزوں کا مجھے بڑا فکر ہے ان کا اہتمام کیا جائے۔ ایک ذکر کا کہ اپنی جماعت میں اس کی کمی پا رہا ہوں ان کو ذکر بتلایا جائے، اور دوسرے اہل اموال کو مصرف زکوٰۃ سمجھا جائے، ان کی زکوتیں اکثر برباد جارہی ہیں، مصرف میں خرچ نہیں ہوتیں۔ میں نے ایسے چالیس آدمیوں کے نام لکھوائے ہیں جو طامع اور حریص نہیں، اگر ان کو زکوٰۃ دی جائے تو ان میں حرص و طمع پیدا نہ ہوگی اور وہ توکلاً علی اللہ تبلیغ کے کام میں لگے ہوئے ہیں۔ ان کی امداد بھی بہت ضروری ہے۔ اہل اموال کو ایسے لوگوں کا تفقد کرنا چاہیے کہ کس کو کتنی ضرورت ہے۔ یہ جو پیشہ رو سائلوں کو اور عام چندہ مانگنے والوں کو زکوٰۃ دیتے ہیں بسا اوقات اس سے ان کی زکوتیں مصرف پر نہیں ہوا کرتیں۔

(۶۳)

فرمایا: علم سے عمل پیدا ہونا چاہیے، اور عمل سے ذکر پیدا ہونا چاہیے جبھی علم علم ہے اور عمل عمل ہے۔ اگر علم سے عمل پیدا نہ ہو تو سراسر ظلمت ہے، اور عمل سے اللہ کی یاد دل میں نہ پیدا ہوئی تو پس پھسا ہی اور ذکر بلا علم بھی فتنہ ہے۔

(۶۴)

فرمایا: لوگوں کو ہدیے، صدقے اور قرض کے فضائل واقعات صحابہؓ سے بتلانے چاہئیں۔ صحابہؓ مزدوری کر کے صدقہ کرتے تھے۔ ان میں صرف اغنیاء ہی صدقہ نہیں کرتے تھے، غریب بھی مزدوری کر کے کچھ نہ کچھ صدقہ کیا کرتے تھے کیونکہ صدقے کے فضائل ان کی نظر میں تھے، اور جب صدقے کا یہ درجہ ہے تو ہدیہ تو اس سے بھی افضل ہے۔ اسی طرح قرض دینے کے بھی

Scanned by CamScanner

بہت سے فضائل ہیں، مثلاً جس وقت قرض کی مدت پوری ہو جائے اس بعد تنگدست مقروض کو اگر مہلت دی گئی، تقاضا نہ کیا گیا تو ہر دن صدقے کا ثواب ملتا ہے۔

(۶۵)

فرمایا: مجھے اپنے اوپر استدراج کا خوف ہے۔ میں نے عرض کیا کہ یہ خوف عین ایمان ہے (امام حسن بصریؒ کا ارشاد ہے کہ اپنے اوپر نفاق کا خوف مؤمن ہی کو ہوتا ہے) مگر جوانی میں خوف کا غلبہ اچھا ہے اور بڑھاپے میں حُسن ظن باللہ اور رجاء کا غلبہ اچھا ہے۔ فرمایا: ہاں صحیح ہے۔

☆☆☆

Scanned by CamScanner

قسط نمبر ۵

حضرت مولاناؒ نے وصال سے ٹھیک ایک سال پہلے رجب ۱۳۶۲ھ میں لکھنؤ اور کانپور کا ایک تبلیغی سفر فرمایا تھا، یہ عاجز اس سفر میں ہم رکاب تھا۔ قسط ہٰذا کے ملفوظات اسی سفر کے ہیں

(۶۶)

فرمایا: ہمارے اس تبلیغی کام میں حصہ لینے والوں کو چاہیے کہ قرآن وحدیث میں دین کی دعوت وتبلیغ پر اجر وثواب کے جو وعدے کئے گئے ہیں اور جن انعامات کی بشارت سنائی گئی ہے ان پر کامل یقین کرتے ہوئے ان ہی کی طمع وامید میں اس کام میں لگیں، اور اس کا بھی دھیان کیا کریں کہ ہماری ان حقیر کوششوں کے ذریعہ اللہ پاک جتنوں کو دین پر لگا دیں گے اور پھر اس سلسلے سے جو لوگ قیامت تک دین پر پڑیں گے اور وہ جو بھی نیک عمل کریں گے تو ان کے اعمالِ حسنہ کا جتنا ثواب ان کو ملے گا ان شاء اللہ تعالیٰ ان تمام ثوابوں کے مجموعے کے برابر اللہ پاک اپنے وعدہ کے مطابق ہم کو بھی عطا فرمائیں گے، بشرطیکہ ہماری نیت خالص اور ہمارا کام قابل قبول ہو۔

(۶۷)

فرمایا: لوگوں کو جب اس تبلیغی کام کے لئے آمادہ کرنا ہو تو وضاحت کے ساتھ اس کام میں لگنے کے مفاد اور اس کا اُخروی اجر وثواب بھی خوب تفصیل سے ان کو بتلاؤ (اور اس طرح بیان کرنے کی کوشش کرو کہ تھوڑی دیر کے لئے تو جنت کا کچھ سماں ان کی آنکھوں کے سامنے آجائے، جیسا کہ قرآن مجید کا طریقہ ہے) اس کے بعد ان شاء اللہ ان کے لئے یہ آسان ہوگا کہ اس کام میں مشغولی کی وجہ سے تھوڑے بہت دنیوی کاموں کے حرج اور نقصان کا جو اندیشہ انہیں ہوگا وہ اس کو نظر انداز کر سکیں گے۔

(۶۸)

فرمایا: تبلیغی گشت کے وقت میں اور خاص طور سے کسی مخاطبہ کے وقت بھی ذکر وفکر میں مشغولی کے لئے جماعت کو جو تاکید کی جاتی ہے تو اس کا خاص منشاء یہ ہے کہ جس وقت ایک

Scanned by CamScanner

حقیقت کسی کو سمجھانے اور منوانے کی کوشش کی جائے تو بہت سے دلوں میں اس وقت اس حقیقت کی تصدیق اور اس کا یقین و اذعان ہو، اس کا اثر دوسرے کے قلب پر پڑتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسانی قلوب میں بڑی طاقتیں رکھی ہیں لوگ ان سے واقف نہیں ہیں۔

(۶۹)

فرمایا: ذکر اللہ شر شیاطین سے بچنے کے لئے قلعہ اور ''حصن حصین'' ہے۔ لہٰذا جس قدر غلط اور برے اثرات سے اپنی حفاظت کے لئے اسی قدر زیادہ ذکر اللہ کا اہتمام کیا جائے۔

(۷۰)

ایک دینی مدرسہ کے طلباء کی ایک جماعت سے خطاب کا آغاز اس سوال سے کیا: ''بتلاؤ تم کون ہو؟'' پھر خود ہی فرمایا:

''تم مہمانانِ خدا اور رسولؐ ہو، مہمان اگر میزبان کو ایذاء پہنچائے تو اس کی ایذاء دوسروں کی ایذاء سے بہت زیادہ تکلیف دہ ہوتی ہے پس اگر تم ''طالب علم'' ہو کر خدا اور رسولؐ کی رضا کے کام نہ کرو اور غلط راہوں پر چلو تو سمجھ لو کہ تم اللہ و رسولؐ کے ستانے والے ان کے مہمان ہو۔''

(۷۱)

انہی طلباء سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

''دیکھو شیطان بڑا چالاک اور عیار ہے، وہ تاک کر مایہ (دولت) پر گرتا ہے آپ لوگ علم دین سیکھنے کے لئے گھروں سے نکل پڑے تو شیطان اس سے مایوس ہو گیا کہ آپ نرے جاہل رہیں۔ اس لئے اس نے جاہل رکھنے کی کوشش چھوڑ کے اب یہ طے کر لیا کہ ان کو پڑھنے دو مگر کام میں اپنے لگانے کی کوشش کرو۔ میری یہ تحریک شیطان کی اس کوشش کے مقابلے میں ''جر ثقیل'' ہے جس کا منشاء یہ ہے کہ خدا کے بندوں کو شیطان کی راہ سے اٹھا کر اللہ کی راہ پر ڈال دوں، اور اللہ ہی کے کام میں لگا دوں، بتاؤ کیا فیصلہ ہے؟''

Scanned by CamScanner

(۷۲)

اسی خطاب کے سلسلے میں فرمایا:

''جن لوگوں کے حقوق خدمت تم پر ہیں اور جن کی اطاعت کرنا تمہارے لئے ضروری ہے ان کی خدمت وراحت کا انتظام کر کے اور ان کو مطمئن کر کے اس کام میں نکلو اور اپنا رویہ ایسا رکھو کہ تمہارے علم واصلاح کے ذوق میں ترقی دیکھ کر تمہارے سرپرست اس مشغلے میں تمہارے لگنے سے نہ صرف یہ ہے کہ مطمئن ہوں بلکہ خواہاں اور راغب ہو جائیں گے۔''

(۷۳)

فرمایا: دین کے کاموں میں اصل مطلوب اور مقصود تو ہونا چاہیے صرف رضا والٰہی اور اجر اُخروی، اور دنیا میں جن انعامات وبرکات کا وعدہ کیا گیا، مثلاً چین کی اور عزت کی زندگی، یا مثلاً استخلاف اور تمکین فی الارض، سو یہ مطلوب نہیں بلکہ موعود ہیں یعنی ہم کو جو کچھ کرنا ہے وہ کرنا تو چاہیے صرف رضا والٰہی اور فلاح اخروی کے لئے، مگر یقین رکھنا چاہیے اللہ کے ان مواعید پر بھی (بلکہ ان کے لئے دعائیں بھی کرنی چاہئیں، مگر ان کو اپنی عبادت واطاعت کا اصل مقصود نہیں بنانا چاہیے)۔

موعود اور مطلوب کے اس فرق کو آپ لوگ اس مثال سے شاید اچھی طرح سمجھ سکیں کہ نکاح وشادی سے مقصود تو بیوی کا حصول اور اس سے تمتع ہوتا ہے مگر اس کے ساتھ آتا ہے جہیز وغیرہ بھی جو گویا عرفاً موجود ہوتا ہے لیکن ایسا بے وقوف دنیا میں شاید ہی کوئی ہو جو شادی ہی صرف جہیز حاصل کرنے کے لئے کرے، اور اگر بالفرض کوئی ایسا کرے اور بیوی کو معلوم ہو جائے کہ اس نے شادی میرے لئے نہیں کی بلکہ میرے ساتھ آنے والے جہیز کے لئے کی ہے تو سوچو کہ بیوی کے دل میں اس کے لئے کتنی جگہ رہے گی۔

(۷۴)

فرمایا: انسان کا امتیاز اپنے ماسوا دوسری مخلوقات سے زبان کی وجہ سے ہے۔ ہونا تو چاہیے یہ امتیاز خیر ہی میں لیکن ہوتا ہے یہ شر میں بھی یعنی جس طرح انسان زبان کے صحیح استعمال

Scanned by CamScanner

اور اس سے اللہ کا اور دین کا کام لینے کی وجہ سے خیر و سعادت میں فرشتوں سے بھی بڑھ جاتا ہے اسی طرح اس زبان کو بے جا استعمال کرنے سے خنزیر اور کتے جیسے جانوروں سے بھی بدتر ہو جاتا ہے۔ ''وَهَلْ يَكُبُّ النَّاسَ عَلٰى مَنَاخِرِهِمْ اِلَّا حَصَائِدُ اَلْسِنَتِهِمْ۔'' (حدیث)

(۷۵)

چند روز پہلے حکیم الامت حضرت تھانویؒ کا وصال ہوا تھا۔ حضرت ممدوح سے تعلق بیعت رکھنے والے ایک صاحب زیارت کے لئے تشریف لائے۔ راقم سطور نے ان کا تعارف کرایا۔ اس پر حضرت نے فرمایا:

''جن حضرات کا حلقہ محبت و تعلق اتنا وسیع ہو جتنا کہ ہمارے حضرت تھانوی قدس سرہٗ کا تھا، چاہیے کہ ان کی تعزیت عامہ کی فکر کی جائے، میرا جی چاہتا ہے کہ اس وقت حضرت کے تمام تعلق رکھنے والوں کی تعزیت کی جائے اور خاص طور سے یہ مضمون آج کل پھیلایا جائے کہ حضرتؒ سے تعلق بڑھانے، حضرت کی برکات سے استفادہ کرنے اور ساتھ ہی حضرتؒ کے لئے ترقی درجات کی کوشش میں حصہ لینے اور حضرت کی روح کی مسرتوں کو بڑھانے کا سب سے اعلیٰ اور محکم ذریعہ یہ ہے کہ حضرت کی تعلیمات حقہ اور ہدایات پر استقامت کی جائے اور ان کو زیادہ سے زیادہ پھیلانے کی کوشش کی جائے۔ جتنا جتنا حضرت کی ہدایت پر کوئی چلے گا اتنا ہی بقاعدہ ''مَنْ دَعٰى اِلٰى حَسَنَةٍ فَلَهٗ اَجْرُهَا وَاَجْرُ مَنْ عَمِلَهَا'' (حدیث) حضرتؒ کے سرمایہ حسنات اور درجاتِ عالیہ میں ترقی ہوگی۔

پھر فرمایا کہ:

''یہ ایصال ثواب کا اعلیٰ طریقہ ہے۔''

(۷۶)

فرمایا: اگر کوئی شخص اپنے کو تبلیغ کا اہل نہیں سمجھتا ہے تو اس کو بیٹھا رہنا ہرگز نہیں چاہیے، بلکہ اس کو تو کام میں لگنے اور دوسروں کو اٹھانے کی اور زیادہ کوشش کرنی چاہیے، بعض دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ کوئی بڑی خیر، چند نااہلوں کے سلسلے سے کسی اہل تک پہنچ جاتا ہے اور پھر وہ پھلتا پھولتا ہے

Scanned by CamScanner

اور پھر اس کا اجر بقاعدہ:

مَنْ دَعٰی اِلٰی حَسَنَةٍ فَلَهٗ اَجْرُهَا وَاَجْرُ مَنْ عَمِلَ بِهَا وَمَنْ سَنَّ فِی الْاِسْلَامِ سُنَّةً حَسَنَةً فَلَهٗ اَجْرُهَا وَاَجْرُ مَنْ عَمِلَ بِهَا۔ (حدیث)

ان نااہلوں کو بھی پورا پہنچ جاتا ہے جو اس کام کے اس اہل تک پہنچنے کا ذریعہ بنے، میں بھی اپنے کو چونکہ نااہل سمجھتا ہوں اس لئے اس میں منہمک ہوں کہ شاید اللہ میری کوشش سے کام کو اس کے کسی اہل تک پہنچا دے اور پھر اس کام کا جو اجر اللہ پاک کے یہاں ہو وہ بھی عطاء فرما دیا جائے۔

(۷۷)

فرمایا: حضرت ابوسعید خدریؓ کی مشہور حدیث ''مَنْ رَاٰی مِنْكُمْ مُنْكَرًا فَلْيُغَيِّرْهُ بِيَدِهٖ فَاِنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِهٖ فَاِنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِهٖ'' کے آخر جز فبقلبہ کا ایک درجہ اور اس کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ ازالہ منکر کے لئے اصحاب قلوب اپنی قلبی قوتوں کو استعمال کریں، یعنی ہمت وتوجہ کو کام میں لائیں۔

پھر اسی ذیل میں فرمایا: امام عبدالوہاب شعرانی نے مقام قطبیت حاصل کرنے کی ایک تدبیر لکھی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ اللہ کی زمین پر جہاں جہاں جو جو معروفات مٹے ہوئے ہیں اور مردہ ہو گئے ہیں ان کا تصور کرے پھر دل میں ان کے مٹنے کا ایک درد محسوس کرے اور پورے الحاح اور تضرع کے ساتھ ان کے زندہ اور رائج کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ سے دعاء کرے اور اپنی قلبی قوت کو بھی ان کے احیاء کے لئے استعمال کرے۔ اسی طرح جہاں جہاں جو جو منکرات پھیلے ہوئے ہیں ان کا بھی دھیان کرے پھر پورے تضرع کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے ان کو مٹا دینے کے لئے دعاء کرے اور اپنی ہمت وتوجہ کو بھی ان کے استیصال کے لئے استعمال کرے۔

امام عبدالوہاب شعرانی نے لکھا ہے کہ ''جو شخص ایسا کرتا رہے گا ان شاء اللہ وہ قطب عصر ہوگا۔''

(۷۸)

فرمایا: ہر موقع کا اصلی اور اعلیٰ ذکر خاص اس موقع کے متعلق احکام خداوندی کی رعایت

Scanned by CamScanner

ہے "لَا تُلْهِكُمْ اَمْوَالُكُمْ وَلَا اَوْلَادُكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ" پس جو شخص اولاد کے ساتھ برتاؤ میں اور خرید و فروخت جیسے معاملات میں احکامِ خداوندی کی اطاعت اور حدود اللہ کی رعایت کرتا ہے وہ ان مشاغل میں مشغول ہوتے ہوئے بھی اللہ کا ذاکر ہے۔

(۷۹)

فرمایا: جنت متواضعین ہی کے لئے ہے۔ انسان میں اگر کوئی حصہ ہے تو پہلے اس کو جہنم میں ڈال کر پھونکا جائے گا جب خالص تواضع رہ جائے تب وہ جنت میں بھیجا جائے گا۔ بہرحال کبر کے ساتھ کوئی آدمی جنت نہیں جائے گا۔

(۸۰)

فرمایا: ہمارے بزرگوں نے غیر سالکین کو صوفیاء کی کتابوں کے مطالعے سے منع کیا ہے۔ ہاں جو سالک کسی محقق شیخ کے زیر تربیت ہو وہ مطالعہ کرے تو مضائقہ نہیں۔

(۸۱)

مولانا مرحوم نے اسی لکھنؤ کے سفر میں ایک مشہور عالم دین کو بھی جماعت کے ساتھ لکھنؤ تشریف لانے کی دعوت دلوائی تھی، وہ صاحب تشریف لے آئے۔ مولانا نے ان سے ایک موقع پر فرمایا:

"حضرت! میں نے آپ کو وعظ کہلوانے کے لئے تکلیف نہیں دی ہے۔ ہمارے اس کام میں وعظ و تقریر تو محض ضمنی چیز ہے۔ آپ جیسے حضرات کو سفر کی تکلیف میں صرف اس لئے دیتا ہوں کہ اپنی جگہ پر اور اپنے مشاغل میں رہتے ہوئے تو میرے اس کام کو سمجھنے اور اس پر غور کرنے کے لئے آپ حضرات کو مہلت نہیں ملتی لیکن جب سفر کی وجہ سے آپ اپنے مشاغل اور اپنے ماحول سے الگ کر لئے جاتے ہیں تو پھر اطمینان سے میری سن بھی سکتے ہیں اور جماعت کے کام کو بھی بچشم خود دیکھ سکتے ہیں اور اس کے بارے میں غور و فکر بھی فرما سکتے ہیں۔

Scanned by CamScanner

(۸۲)

فرمایا: لوگوں کو ترغیب دو کہ وہ دین سیکھنے سکھانے اور دین کو پھیلانے کے واسطے اپنے خرچ پر گھروں سے نکلیں۔ اگر ان میں اس کی بالکل استطاعت نہ ہو یا وہ اتنے ایثار پر آمادہ نہ ہوں تو پھر حتی الوسع ان ہی کے ماحول سے اس کا انتظام کرو، اور اگر یہ بھی نہ ہو سکے تو پھر دوسری جگہ سے ہی انتظام کر دو، لیکن یہ بہر حال ملحوظ رہے کہ ان میں اشرافِ نفس پیدا نہ ہو جائے۔ یہ چیز (یعنی اپنی حاجات میں بجائے اللہ کے بندوں پر نظر ہونا جس کا نام اشراف ہے) ایمان کی جڑوں کو کھوکھلا کر دینے والی ہے۔

نیز ان نکلنے والوں کو یہ بھی اچھی طرح سمجھا دیا جائے کہ اس راہ کی تکلیفوں، بھوک پیاس وغیرہ کو اللہ کی رحمت سمجھیں، اس راستہ میں یہ تکالیف تو انبیاء اور صدیقین اور مقربین کی غذائیں ہیں۔

(۸۳)

فرمایا: دوستو! ابھی کام کا وقت باقی ہے۔ عنقریب دین کے لئے دو زبردست خطرے پیش آئیں گے۔ ایک تحریک شُدھی کی طرح کفر کی تبلیغی کوشش، جو جاہل عوام میں ہوگی، اور دوسرا خطرہ ہے الحاد و دہریت کا جو مغربی حکومت و سیاست کے ساتھ ساتھ آ رہا ہے۔ یہ دونوں گمراہیاں سیلاب کی طرح آئیں گی، جو کچھ کرنا ہے ان کے آنے سے پہلے پہلے کر لو۔

(۸۴)

فرمایا: دین کی عمومی تعلیم و تربیت کا جو طریقہ ہم اپنی اس تحریک کے ذریعہ رائج کرنا چاہتے ہیں صرف وہی طریقہ رسولِ اکرم ﷺ کے زمانے میں رائج تھا اور اسی طرز سے وہاں عام طور پر دین سیکھا اور سکھایا جاتا تھا۔ بعد میں جو اور طریقے اس سلسلے میں ایجاد ہوئے مثلاً تصنیف و تالیف اور کتابی تعلیم وغیرہ، سو ان کو ضرورت حادثہ نے پیدا کیا، مگر اب لوگوں نے صرف اسی کو اصل سمجھ لیا ہے اور رسولِ اکرم ﷺ کے زمانے کے طریقے کو بالکل بھلا دیا گیا ہے، حالانکہ اصل طریقہ وہی ہے اور عمومی پیمانے پر تعلیم و تربیت صرف اسی طریقے سے دی جا سکتی ہے۔

Scanned by CamScanner

(۸۵)

فرمایا: مجھے جب بھی میوات جانا ہوتا ہے تو ہمیشہ اہل خیر اور ذکر کے مجمع کے ساتھ جاتا ہوں، پھر بھی عمومی اختلاط سے قلب کی حالت اس قدر متغیر ہو جاتی ہے کہ جب تک اعتکاف کے ذریعے اس کو غسل نہ دوں یا چند روز کے لئے ''سہارنپور'' یا ''رائے پور'' کے خاص مجمع اور خاص ماحول میں جا کر نہ رہوں تو قلب اپنی حالت پر نہیں آتا۔

دوسروں سے بھی کبھی فرمایا کرتے تھے کہ دین کا کام کرنے والوں کو چاہیے کہ گشت اور چلت پھرت کے طبعی اثرات کو خلوتوں کے ذکر و فکر کے ذریعے دھویا کریں۔

(۸۶)

فرمایا: ہماری تبلیغ میں کام کرنے والوں کو تین طبقوں میں تین ہی مقاصد کے لئے خصوصیت سے جانا چاہیے۔

۱: علماء اور صلحاء کی خدمت میں دین سیکھنے اور دین کے اچھے اثرات لینے کے لئے۔

۲: اپنے سے کم درجہ کے لوگوں میں دینی باتوں کو پھیلانے کے ذریعے اپنی تکمیل اور اپنے دین میں رسوخ حاصل کرنے کے لئے۔

۳: مختلف گرہوں میں ان کی متفرق خوبیاں جذب کرنے کے لئے۔

(۸۷)

ایک دن دعاء کرتے ہوئے فرمایا:

''اے اللہ، کافروں پر تیرے بندے ہونے کی حیثیت سے جو شفقت اور جو ترحم ہم میں ہونا چاہیے اور اس کی وجہ سے ان کے جو حقوق ہم پر عائد ہوتے ہوں ان کی ادائیگی کی توفیق کے ساتھ ان کے کفر سے ہمارے قلب میں پوری پوری نفرت اور کراہت پیدا کر۔''

(۸۸)

فرمایا: اہل دین (علماء و صلحاء) کو اس کام (تبلیغی و اصلاحی) جدوجہد میں شریک کرنے

Scanned by CamScanner

اور ان کو راضی و مطمئن کرنے کی فکر زیادہ سے زیادہ کرنی چاہیے اور جہاں ان کا اختلاف اور ناگواری ہی معلوم ہو وہاں ان کو معذور قرار دینے کے لئے ان کے حق میں اچھی تاویل کرنی چاہیے اور ان کی خدمتوں میں دینی استفادہ اور حصول کی نیت سے حاضر ہوتے رہنا چاہیے۔

(۸۹)

فرمایا: نفس اسلام کی بھی اللہ تعالیٰ کے یہاں قدر و قیمت ہے اگرچہ وہ فسق و فجور کے ساتھ ملا ہوا ہو، اسی واسطے فاسق و فاجر بھی ایک نہ ایک وقت بخش دیا جائے گا، پس ہمیں چاہیے کہ جس میں اسلام ادنیٰ درجے میں موجود ہو اس کی بھی نسبتِ اسلام کی قدر کریں اور اس کو اپنا دینی بھائی سمجھیں اور اسی حیثیت سے اس سے معاملہ کریں اور اس کے اندر جو فسق و عصیان موجود ہو اس کے لئے اپنے آپ کو بھی ذمہ دار گردانیں کہ ہماری غفلت کا بھی اس میں دخل ہے اور دین کی کوشش نہ کرنے ہی کا یہ نتیجہ ہے۔

(۹۰)

فرمایا: ہمارا کام دین کا بنیادی کام ہے اور ہماری تحریک درحقیقت ایمان کی تحریک ہے۔ آج کل عام طور سے جو اجتماعی کام ہوتے ہیں ان کے کرنے والے ایمان کی بنیاد کو قائم فرض کر کے امت کی اوپر کی تعمیر کرتے ہیں اور اوپر کے درجے کی ضروریات کی فکر کرتے ہیں اور ہمارے نزدیک امت کی اوّل ضرورت یہی ہے کہ ان کے قلوب میں پہلے صحیح ایمان کی روشنی پہنچ جائے۔

(۹۱)

فرمایا: ہمارے نزدیک اس وقت امت کی اصل بیماری دین کی طلب و قدر سے ان کے دلوں کا خالی ہونا ہے۔ اگر دین کی فکر و طلب ان کے اندر پیدا ہو جائے تو ان کی اسلامیت دیکھتے ہی دیکھتے سرسبز ہو جائے۔ ہماری اس تحریک کا اصل مقصد اس وقت بس دین کی طلب و قدر پیدا کرنے کی کوشش کرنا ہے نہ کہ صرف کلمہ اور نماز وغیرہ کی تصحیح و تلقین۔

(۹۲)

فرمایا: ہمارے طریقۂ کار میں دین کے واسطے جماعتوں کی شکل میں گھروں سے دور نکلنے

Scanned by CamScanner

کو بہت زیادہ اہمیت ہے۔ اس کا خاص فائدہ یہ ہے کہ آدمی اس کے ذریعے اپنے دائمی اور جامد ماحول سے نکل کر ایک نئے مصالح اور متحرک ماحول میں آجاتا ہے جس میں اس کے دینی جذبات کے نشوونما کا بہت کچھ سامان ہوتا ہے نیز اس سفر و ہجرت کی وجہ سے جو طرح طرح کی تکلیفیں اور مشقتیں پیش آتی ہیں اور در بدر پھرنے میں جو ذلتیں اللہ کے لئے برداشت کرنی ہوتی ہیں اُن کی وجہ سے اللہ کی رحمت خاص طور سے متوجہ ہو جاتی ہے۔

وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا

اسی واسطے اس سفر و ہجرت کا زمانہ جس قدر طویل ہوگا اسی قدر مفید ہوگا۔

(۹۳)

فرمایا: یہ سفر غزوات ہی کے سفر کے خصائص اپنے اندر رکھتا ہے اور اس لئے اُمید بھی ویسے ہی اجر کی ہے۔ یہ اگرچہ قتال نہیں ہے مگر جہاد ہی کا ایک فرد ضرور ہے، جو بعض حیثیات سے اگرچہ قتال سے کمتر ہے لیکن بعض حیثیات سے اس سے بھی اعلیٰ ہے، مثلاً قتال میں شفاء غیظ اور اطفاء شعلۂ غضب کی صورت بھی ہے اور یہاں اللہ کے لئے صرف کظم غیظ ہے اور اس کے دین کے لئے لوگوں کے قدموں میں پڑ کے اور اُن کی منتیں خوشامدیں کر کے بس ذلیل ہونا ہے۔

(۹۴)

فرمایا: یہ تحریک درحقیقت اپنے بہت بڑے درجے کی ریاضت ہے۔ افسوس! لوگ اس کی حقیقت کو سمجھتے نہیں۔

(۹۵)

فرمایا: جو لوگ ہماری تبلیغ کا کام اور طریقہ سیکھنے کے لئے نظام الدین آنا چاہیں ان کو یہ چند باتیں ضرور پہلے ہی سے اچھی طرح ذہن نشین کرا دی جائیں۔

۱: زیادہ سے زیادہ وقت نکال کے آئیں۔

۲: ایک دو ہی دفعہ کی آمد کو کافی نہ سمجھیں بلکہ آتے رہا کریں۔

۳: یہ ارادہ کر کے آئیں کہ ''نظام الدین'' میں پڑا رہنا نہیں ہوگا بلکہ ہدایت کے مطابق جا

Scanned by CamScanner

بجا پھرنا ہوگا، ہاں اس اثناء میں کبھی کبھی نظام الدین رہنا بھی ہوگا۔

۴: یہ بھی اچھی طرح ان کے ذہن نشین کرادیا جائے کہ جس وقت ان کے کچھ رفقاء واپسی کا ارادہ کرنے لگیں اور ان کی دیکھا دیکھی واپسی کی خواہش پیدا ہونے لگے تو ایسے وقت میں اپنی خواہش پر نہ چلنے اور ہمت وعزیمت کے ساتھ کام میں لگے رہنے کا اجر بے حدو حساب ہے اور ان واپس نہ ہونے والے اصحابِ عزیمت کی مثال ان مجاہدین فی سبیل اللہ کی سی ہے جو ایسے وقت میں میدانِ جہاد میں ڈٹے رہیں جب کہ ان کے دائیں بائیں کے لوگ بھاگ کھڑے ہوئے ہوں۔

۵: یہ بھی بتادیا جائے کہ اس راہ میں بہت سے مکارہ (تکالیف ومصائب اور خلاف مزاج امور) پیش آئیں گے اور آخرت میں اجر ان مکارہ ہی کی نسبت سے ملے گا۔

☆☆☆

Scanned by CamScanner

قسط نمبر ۶

(۹۶)

فرمایا: کبھی کبھی بیٹھ کر یہ سوچنا چاہیے کہ ہمارا اثر ورسوخ کہاں کہاں ہے؟ اور کہاں کہاں ہماری دینی کوششیں نتیجہ خیز ہوسکتی ہیں؟ پھر غور کرنا چاہیے کہ وہاں اس دینی دعوت کے پھیلانے کی تدابیر کیا ہیں؟ اور کیا راستہ ہمیں اختیار کرنا چاہیے اور وہاں ہمارا نظامِ عمل کیا ہونا چاہیے؟
پھر اسی سوچے ہوئے نقشے کے مطابق متوکلاً علی اللہ کام شروع کر دینا چاہیے۔

(۹۷)

فرمایا: جن جن حضرات کے متعلق یہ اندازہ ہو کہ ہم اس کو اس دینی کام کی طرف بغیر اس کے متوجہ نہیں کر سکتے کہ پہلے ایک عرصے تک ان کی خدمت کر کے ان کے مزاج سے قرب اور مناسبت پیدا کریں تو پھر پہلے ان کی خدمت ہی کرنا چاہیے لیکن اس خدمت میں بھی اللہ کے کام میں ان کو لگانے ہی کی نیت رکھنا چاہیے اور اُمید کے ساتھ اللہ سے دعائیں بھی کرتے رہنا چاہیے۔

(۹۸)

فرمایا: بعض حضرات کو ہماری اس دعوتِ ایمان کی گہرائیاں معلوم نہ ہونے کی وجہ سے اس سے لگاؤ نہیں ہے اور اس کے بجائے دین کے بعض ان احکام ومسائل کی ترویج کی کوشش کو زیادہ اہم سمجھتے ہیں جن میں مسلمانوں سے کوتاہیاں ہو رہی ہیں مثلاً صاحب اور ان کے اہل حلقہ کی نظر میں خاص طور سے شریعت کے فلاں فلاں خاص احکام کی ترویج اور رسومِ بد کی اصلاح بہت زیادہ اہمیت رکھتی ہے تو ایسے حضرات کے ساتھ طریقۂ عمل یہ ہونا چاہیے کہ میوات میں ان احکام ومسائل کی کوشش اور اصلاح رسوم کی سعی کے واسطے ہی ان کو اُٹھایا جائے۔ ابھی تک میوات میں ترکے کی تقسیم کے بارے میں بھی بڑی کوتاہی ہے۔ شریعت کے مطابق ترکہ تقسیم کرنے کا رواج بہت کم ہوسکا ہے، ایسی ہی اور بھی بہت سی بُری رسمیں ابھی رائج ہیں مثلاً ابھی تک گوتھ میں شادی کرنے کا رواج نہیں ہوا ہے۔

Scanned by CamScanner

تو صاحب اور ان کے متبعین کو میوات میں ان ہی احکام کے پھیلانے کے واسطے اٹھایا جائے اور ان کو یہ بتلایا جائے کہ میواتی لوگ اس تبلیغی دعوت سے ایک درجے میں مانوس ہو چکے ہیں اور کسی درجے میں اس کو اپنا چکے ہیں، پس اگر آپ ان کے اس تبلیغی کام کی تھوڑی سی بھی سرپرستی فرمائیں گے تو پھر ان شاء اللہ آپ کے ان مخصوص اصلاحی مقاصد اور اصلاحِ رسوم کے کام میں ان سے آپ کو بہت مدد ملے گی اور ان کے ذریعے آپ میوات میں ان احکام و مسائل کی ترویج اور رسومات جاہلیت کی اصلاح کا کام آسانی سے کر سکیں گے۔

اس طرح ان حضرات کو تمہاری تبلیغی مہم کی گہرائیوں اور وسعتوں کو سمجھنے اور اس کے اثرات و نتائج کا مشاہدہ کرنے کا بھی موقع مل جائے گا اور پھر ان شاء اللہ ان کو اس طرف بھی توجہ ہو جائے گی۔

(۹۹)

فرمایا: میں اگر کسی طبیب کو بھی علاج کے لئے بلاتا ہوں تو دراصل تبلیغی کام کو پیش نظر رکھ کے بلاتا ہوں اور اس سے اپنا علاج کرانے کو اس اللہ کے کام میں لگانے کا بہانا بنانا چاہتا ہوں، اس لئے صرف ان ہی اطباء کو بلانے کی اجازت دیتا ہوں جن سے اس دینی دعوت کے سلسلے میں کوئی توقع اور گنجائش ہو۔

(۱۰۰)

فرمایا: میں اپنی صحت اور بقاء حیات کے لئے کھڑے ہو کر نماز پڑھنے کے بجائے بیٹھ کر نماز پڑھنا تو جائز سمجھتا ہوں لیکن اس دینی کام کے قیام و بقاء پر زندگی کے خیال کو مقدم نہیں سمجھتا۔

(۱۰۱)

فرمایا: ہماری اس دعوت و تبلیغ کا ایک اہم اصول یہ ہے کہ خطاب عام میں تو سختی برتی جائے لیکن خطاب خاص میں انتہائی نرمی، بلکہ جہاں تک ہو سکے لوگوں کی اصلاح کے لئے خطاب عام ہی کیا جائے، حتیٰ کہ اگر اپنے کسی خاص ساتھی کی کوئی غلطی دیکھی جائے تو حتی الوسع اس کی اصلاح کی کوشش بھی خطاب ہی کے ضمن میں کی جائے۔ یہی حضور ﷺ کا عام طریقہ تھا کہ

Scanned by CamScanner

خاص لوگوں کو غلطیوں پر تنبیہ بھی آپ ﷺ ''مَا بَالُ اَقْوَامٍ'' کے عمومی عنوان سے فرماتے تھے اور اگر خطاب خاص ہی کی ضرورت سمجھی جائے تو علاوہ محبت اور نرمی کے اس بات کا بھی لحاظ رہے کہ فوراً اس کو نہ ٹوکا جائے۔ ایسی صورت میں اکثر لوگوں کا نفس جواب دہی اور حجت بازی پر آمادہ ہو جاتا ہے، لہٰذا اس وقت کو تو ٹال دیا جائے، پھر دوسرے مناسب وقت میں خلوص و محبت کے ساتھ اس کی غلطی پر اس کو متنبہ کیا جائے۔

(۱۰۲)

فرمایا: اپنی اس تحریک کے ذریعے ہم ہر جگہ کے علماء اور اہل دین اور دنیا داروں میں میل ملاپ اور صلح و آشتی بھی کرانا چاہتے ہیں، نیز خود علماء اور اہل دین کے مختلف حلقوں میں الفت و محبت اور تعاون و یگانگت کا پیدا کرنا اس سلسلے میں ہمارے پیش نظر، بلکہ ہمارا مقصد ہے اور یہ دینی دعوت ہی ان شاء اللہ اس کا ذریعہ و وسیلہ بنے گی۔ افراد اور جماعتوں میں اختلافات اغراض ہی کے اختلافات سے تو پیدا ہوتے اور ترقی کرتے ہیں۔ ہم مسلمانوں کے تمام گروہوں کو دین کے کام میں لگانے اور خدمت دین کو ان کا سب سے اعلیٰ مقصود بنانے کی اس طرح کوشش کرنا چاہتے ہیں کہ ان کے جذبات اور طریق عمل میں موافقت ہو جائے۔ صرف یہی چیز نفرتوں کو محبتوں سے بدل سکتی ہے۔ دو شخصوں میں صلح کرانے کا ذرا سوچو کہ کتنا بڑا اجر ہے۔ پھر امت کے مختلف طبقوں اور گروہوں میں مصالحت کی کوشش کا جو اجر ہوگا اس کا کوئی کیا اندازہ کر سکتا ہے۔

(۱۰۳)

فرمایا: ہمارے اس کام کو سمجھنے اور سیکھنے کے لئے صحیح ترتیب یہ ہے کہ پہلے یہاں اگر چند روز قیام کیا جائے اور یہاں کے رہنے والوں (تبلیغ کے پرانے کارکنوں) سے باتیں کی جائیں اور صرف میری ملاقات اور مجھ سے ہی باتیں کرنے کے درپے نہ ہوا جائے۔ ہاں جس وقت میں خود کچھ کہوں اس کو سن لیا جائے، اور یہاں کے اردگرد کام کرنے کے لئے بھی نکلا جائے، یعنی روزمرہ کی گشت میں شرکت کی جائے، پھر کچھ دنوں کے لئے میوات جا کر کام کی مشق کی جائے۔ اس کے بعد اپنی جگہ پر جا کر کام کیا جائے۔

Scanned by CamScanner

(۱۰۴)

ایک ضرورت یہ ہے کہ تبلیغ سے تعلق رکھنے والوں کا یہاں ایسا مخلوط مجمع رہے جس میں ہر طبقے اور ہر طرح کے لوگ ہوں۔ علماء بھی ہوں، اہل الذکر بھی ہوں، انگریزی تعلیم یافتہ بھی ہوں، تاجر بھی ہوں، غریب عوام بھی ہوں، اس سے ہمارے طریقۂ کار کے سمجھنے اور عملاً اس پر قابو پانے میں بڑی مدد ملے گی اور ہم جو مختلف طبقات کا باہم اختلاط اور تعاون چاہتے ہیں اس کی بنیاد بھی ان شاء اللہ اس سے پڑ جائے گی۔

(۱۰۵)

ہماری اس تحریک میں تصحیح نیت کے اہتمام کی بڑی اہمیت ہے۔ ہمارے کام کرنے والوں کے پیش نظر بس اللہ کے حکم کی اطاعت اور اس کی رضا جوئی ہونی چاہیے۔ جس قدر یہ پہلو خالص اور قوی ہوگا اسی قدر اجر زیادہ ملے گا۔ اسی لئے یہ عام قانون ہے کہ جب دین کے لئے قربانیاں کرنے کے مصالح اور منافع کھل کر آنکھوں کے سامنے آجائیں تو اجر گھٹ جاتا ہے کیونکہ پھر قدرتی طور پر وہ مصالح بھی فی الجملہ مقصود ہو جاتے ہیں۔ دیکھو فتح مکہ سے پہلے جانی اور مالی قربانیوں کا جو اجر تھا بعد میں وہ نہیں رہا، کیونکہ فتح مکہ ہو جانے کے بعد غلبے اور حکومت کی صورت نظروں کے سامنے آگئی۔

لَا يَسْتَوِيْ مِنْكُمْ مَّنْ اَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَقٰتَلَ ؕ اُولٰٓئِكَ اَعْظَمُ دَرَجَةً مِّنَ الَّذِيْنَ اَنْفَقُوْا مِنْۢ بَعْدُ وَقٰتَلُوْا ؕ وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى ؕ

(۱۰۶)

دعوت کے سلسلے میں شروع تحریک سے کام کرنے والے دو مخلص میواتیوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ایک دن آپ نے فرمایا:

''اس تبلیغی کام کی نسبت بوجہ دعوت میری طرف ہوگئی ہے، ورنہ دراصل اس کے کرنے والے یہ لوگ ہیں، میں چاہتا ہوں کہ جو لوگ اس کام ہی کی وجہ سے مجھ سے محبت رکھتے ہیں وہ ان لوگوں کی طرف اپنی محبتوں کا رخ کریں اگرچہ اس کے واسطے انہیں اپنے

Scanned by CamScanner

دلوں پر جبر کرنا پڑے، ان سے محبت اور ان کی خدمت قبولیت کا ذریعہ ہے۔

(۱۰۷)

اسی سلسلے میں فرمایا: ان لوگوں کے مجھ پر بڑے حقوق ہیں، میں ان کے حقوق ادا نہیں کر سکا ہوں، میرے اہل محبت ان کے حقوق کو پہچانیں۔

(۱۰۸)

فرمایا: دین کی جد و جہد میں مُخلصین اور صادقین کا حصہ بس اللہ اور رسول ﷺ اور ان کی رضا کا حصول ہوتا ہے اور فتوحات اور مال و دولت جب ہاتھ آئے اس میں ضعفاء اور مؤلفۃ القلوب کا پہلے خیال کیا جاتا ہے۔ اسی اصول پر میں کہتا ہوں کہ جن لوگوں نے ہمارے کام کی حقیقت کو ابھی نہیں سمجھا ہے اور اس لئے انہیں اس سے لگاؤ پیدا نہیں ہوا ہے۔ ان کو بلایا جائے تو ان کے کرایہ کی بھی فکر کی جائے اور ان کی خدمت اور مدارات کا بھی اپنے امکان بھر اہتمام کیا جائے، اور جو مخلصین کام کی حقیقت کو سمجھ کر اس میں لگ گئے ہیں ان کے لئے ان چیزوں کی فکر نہ اٹھائی جائے۔

(۱۰۹)

فرمایا: آج کل دین کے باب میں یہ غلط فہمی نہایت عام ہوگئی ہے کہ مبادی کو غایات اور ذرائع کو مقاصد کا درجہ دے دیا جاتا ہے۔ اگر غور کرو گے تو معلوم ہوگا کہ دین کے تمام شعبوں میں یہ غلطی گھس گئی اور ہزاروں خرابیوں کی یہ جڑ ہے۔

(۱۱۰)

فرمایا: ''اِنَّ لِلسَّآئِلِ عَلَیْكَ حَقًّا وَّاِنْ جَآءَ عَلٰی فَرَسٍ'' کا مطلب سمجھنے میں عام طور سے ایک مغالطہ ہوتا ہے، سمجھا جاتا ہے کہ سائل خواہ کیسا ہی اور کسی حال کا ہو اس کو اس کا مسئول (یعنی جو وہ مانگے دینا ہی چاہیے) حالانکہ یہ غلط ہے بلکہ حدیث کا مفاد صرف یہ ہے کہ اس کا تم پر حق ہے کہ اس کے ساتھ مناسب اور خیر خواہانہ و ہمدردانہ معاملہ کرو، تکبّر اور تحقیر کے ساتھ پیش نہ آؤ ''اَمَّا السَّآئِلَ فَلَا تَنْهَرْ۔''

Scanned by CamScanner

اب یہ خیر خواہی کبھی اس طرح ہوگی کہ اس کی مانگ پوری کردی جائے اور کبھی خیر اندیشی و ہمدردی کا تقاضہ یہ ہوگا کہ اس کو سوال کی ذلت سے بچنے کی نصیحت کی جائے اور معیشت کی کسی مناسب تدبیر کی طرف اس کی رہنمائی کی جائے اور اس میں حسبِ موقع اس کو سہولت پہنچائی جائے۔ جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے بعض سائلوں کے ساتھ کیا کہ ان کے کھانے کا پیالہ تک نیلام کر کے اُس قیمت کی کُلہاڑی خرید وادی اور فرمایا کہ ''جنگل سے لکڑیاں کاٹ کر لاؤ اور بیچو اور اپنا گزارہ کرو۔''

پس اگر سائل معذور و مجبور نہیں ہے بلکہ ایسا ہے جو اپنے گزارے کے لئے کچھ کر دھر سکتا ہے تو اس کا حق یہی ہے کہ حکمت کے ساتھ اس کو سوال سے بچایا جائے اور کسی کام سے لگانے کی کوشش کی جائے۔

اسی سلسلے میں فرمایا: نصوص کے معنی اگر رسولِ اکرم ﷺ کے طریق عمل کی روشنی میں سمجھنے کی کوشش کی جائے تو کبھی ان شاء اللہ غلط فہمی نہ ہو۔

☆☆☆

Scanned by CamScanner

قسط نمبر ۷

(۱۱۱)

فرمایا: انبیاءؑ باوجود یکہ معصوم اور محفوظ ہیں اور علوم و ہدایات براہ راست حق تعالیٰ سے حاصل کرتے ہیں لیکن جب ان تعلیمات و ہدایات کی تبلیغ میں ہر طرح کے لوگوں سے ملنا جلنا اور ان کے پاس آنا جانا ہوتا ہے تو ان کے مبارک اور منور قلوب پر بھی ان عوام الناس کی کدورتوں کا اثر پڑتا ہے (مولانا کے اس خیال کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ کو صبح کی نماز میں تشابہ لگا تو بعد فراغ نماز آپ ﷺ نے فرمایا "مقتدیوں میں کچھ وہ لوگ ہیں جو وضو طہارت اچھی طرح نہیں کرتے ہیں، انہی کے اثر سے ہماری قرأت میں گڑبڑ پڑتی ہے۔" (مشکوٰۃ کتاب الطہارہ))، اور تنہائی کے ذکر و عبادت کے ذریعے وہ اس گرد غبار کو دھوتے ہیں۔

فرمایا: سورۂ مزمل میں حضور ﷺ کو قیامِ لیل (تہجد) کا حکم دیتے ہوئے جو یہ فرمایا گیا ہے کہ "اِنَّ لَكَ فِي النَّهَارِ سَبْحًا طَوِيْلًا ۝" (اے اللہ کے رسولؐ!) دن میں تم کو بہت چلنا پھرنا رہتا ہے) تو اس میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ سیّد الانبیاء ﷺ کو بھی دن کی دوڑ دھوپ اور چلت پھرت کی وجہ سے رات کی اندھیری اور تنہائی میں یکسوئی کے ساتھ عبادت کی ضرورت تھی۔ پھر اس آیت سے اگلی آیت میں جو متصلاً فرمایا گیا "وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ اِلَيْهِ تَبْتِيْلًا ۝" ترجمہ: "اور اپنے رب کے نام کی یاد کر اور یکسوئی سے ہمہ تن اس کی طرف متوجہ ہو۔" تو اس سے بھی اس مضمون کی تائید ہوتی ہے کہ تبلیغی دوڑ دھوپ کرنے والوں کو ذکر و فکر اور یکسوئی کے ساتھ اللہ کی عبادت کی خصوصیت سے ضرورت ہوتی ہے)۔ پس ہم کو بھی اس کے مطابق عمل کرنا چاہیے بلکہ ہم اس کے بہت زیادہ محتاج ہیں، کیونکہ اوّلاً تو ہم خود کچے اور ظلمتوں سے بھرے ہوئے ہیں پھر اپنے جن بڑوں سے ہم دینی فیوض اور ہدایات حاصل کرتے ہیں وہ بھی ہماری ہی طرح غیر معصوم ہیں، اور جن میں تبلیغ کے لئے جاتے ہیں وہ بھی عام انسان ہیں۔ غرض ہم میں خود بھی کدورتیں ہیں اور ہمارے دونوں جانب بھی بشری کدورتیں ہیں، جن کا ہم پر اثر پڑنا لازم اور

Scanned by CamScanner

فطری ہے۔ اس لئے ہم اس کے بہت زیادہ محتاج ہیں کہ رات کی اندھیریوں اور تنہائیوں میں اللہ کے ذکر و عبادت کا اہتمام اور التزام کریں۔ قلب پر پڑے ہوئے برے اثرات کا یہ خاص علاج ہے:

اسی سلسلے میں فرمایا: یہ بھی ضروری ہے کہ اپنے جن بڑوں سے ہم دینی فیوض اخذ کریں ان سے اپنا تعلق صرف اللہ کی جانب کا رکھیں اور صرف اسی لائن کے ان اقوال و افعال اور احوال سے سروکار رکھیں، باقی دوسری لائنوں کی ان کی ذاتی اور خانگی باتوں سے بے تعلق بلکہ بے خبر رہنے کی کوشش کریں، کیونکہ یہ ان کا اپنا بشری حصہ ہے۔ لامحالہ اس میں کچھ کدورتیں ہوں گی اور جب آدمی اپنی توجہ ان کی طرف کو چلائے گا تو وہ اس کے اندر بھی آئیں گے۔ نیز بسا اوقات اعتراض پیدا ہوگا جو بُعد اور محرومی کا باعث ہو جائے گا۔ اسی لئے مشائخ کی کتابوں میں سالک کو شیخ نے خانگی احوال پر نظر نہ کرنے کی تاکید کی گئی ہے۔

(۱۱۴)

فرمایا: اہلِ علم اور اہلِ اثر حضرات ایک سلسلہ یہ شروع کریں کہ ہر جمعہ کے لئے پہلے سے سوچ کر طے کر لیا کریں کہ ہم یہ جمعہ فلاں محلے کی مسجد میں پڑھیں گے اور اس انتخاب میں غریب، پسماندہ اور جہل زدہ آبادیوں کا زیادہ لحاظ رکھیں مثلاً جن حلقوں میں دھوبی، سقے، تانگہ گاڑی چلانے والے، قلی اور سبزی فروش جیسے لوگ بستے ہوں (جن میں دین سے جہالت اور غفلت اگرچہ بہت زیادہ ہے لیکن تمرد اور انکار کی کیفیت پیدا نہیں ہوئی ہے) تو ایسے لوگوں کی کسی آبادی کی مسجد پہلے سے تجویز کر لیں اور اپنے اہل تعلق اور ملنے جلنے والے لوگوں کو بھی اس کی اطلاع دے دیں، اور ساتھ چلنے کی بھی انہیں ترغیب دیں، پھر وہاں پہنچ کر نمازِ جمعہ سے پہلے تبلیغی گشت کر کے لوگوں کو نماز کے لئے آمادہ کر کے مسجد میں لائیں، پھر تھوڑی دیر کے لئے انہیں روک کر دین کی اہمیت اور اس کے سیکھنے کی ضرورت ان کو سمجھا کر دین سیکھنے کے واسطے تبلیغی جماعتوں کی دعوت دیں اور ان کو سمجھائیں کہ اس طریقے پر وہ چند روز میں دین کا ضروری علم و عمل سیکھ سکتے ہیں۔ پھر اس دعوت پر اگر تھوڑے سے تھوڑے آدمی بھی تیار ہو جائیں تو کسی مناسب جماعت کے ساتھ ان کو بھیجنے کا بندوبست کریں۔

Scanned by CamScanner

(۱۱۳)

اسی سلسلے میں فرمایا: اگر کسی جگہ کے کچھ غرباء تبلیغی جماعت کے ساتھ نکلنے پر آمادہ ہو جائیں اور خرچ سے لاچار ہوں تو کوشش کر کے حتی الوسع انہیں کے ماحول سے کچھ امراء کو بھی ان کے ساتھ کے لئے اٹھایا جائے، اور انہیں یہ بھی بتایا جائے کہ اللہ کی راہ میں نکلنے والے غرباء اور ضعفاء کی امداد کا اللہ کے یہاں کیا درجہ ہے لیکن ساتھ ہی پوری اہمیت سے یہ بات بھی ان کے ذہن نشین کی جائے کہ اگر وہ اپنے کسی غریب ساتھی کی مدد کرنا چاہیں تو اس کے اصول اور اس کا طریقہ اس راہ کے پرانے تجربہ کار کارکنوں سے ضرور معلوم کریں اور کے مشورہ سے ہی یہ کام کریں۔ خلافِ اُصول اور غلط طریقے پر کسی کی مدد کرنے سے بسا اوقات بہت سی خرابیاں پیدا ہو جاتی ہیں۔

(پھر اس اتفاق یعنی دین کے لئے نکلنے والے غریب اور غیر مستطیع لوگوں پر خرچ کرنے کے مندرجہ ذیل یہ چند اصول حضرت مولانا نے بیان فرمائے اور غالباً اس عاجز سے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ ان کو لکھ لو۔

۱: غیر مستطیعین کو اس طرح حکمت سے دیا جائے کہ وہ اس کو کوئی مستقل سلسلہ نہ سمجھنے لگیں اور ان میں اشراف پیدا نہ ہونے پائے۔

۲: دینا ''تالیف'' کے لئے ہو (یعنی دین سے مناسبت اور انس پیدا کرنے کے واسطے ہو) لہٰذا صرف بقدر ضرورت تالیف ہی ہو، پھر جیسے جیسے ان میں دین کی قدر وطلب اور اس کام سے انس ومناسبت بڑھتی جائے اسی قدر مالی امداد سے ہاتھ کھینچا جائے، اور صحبت و گفتگوؤں وغیرہ کے ذریعہ یہ جذبہ ان میں پیدا کیا جائے کہ وہ محنت اور مزدوری کر کر کے یہ کام کریں، یا جس طرح اپنی ضرورتوں کے لئے قرض لیتے ہیں، اس کو بھی ایک اہم ضرورت سمجھتے ہوئے حسبِ موقع اس کے لئے قرض لیں۔ اس راہ میں غیر کا ممنون نہ ہونا ''عزیمت'' ہے۔ ہجرت کے وقت صدیق اکبرؓ جیسے فدائی نے رسول اللہ ﷺ کو اونٹنی پیش کی تھی تو حضور ﷺ نے قیمت طے کر کے قرض لی۔

۳: مالی امداد کے آداب میں سے ایک یہ بھی ہے کہ نہایت مخفی طور پر اور عزت واحترام کے ساتھ دیا جائے اور دینے والے امراء خدمت دین میں مشغول غرباء کے قبول کر لینے کو ان کا احسان سمجھیں اور ان کو اپنے سے افضل سمجھیں کہ باوجود غربت وعسرت کے وہ دین

Scanned by CamScanner

کے لئے گھر سے نکلے ہیں۔ دین کے لئے گھر سے نکلنا صفت ہجرت ہے، اور ان کی مدد کرنا صفت نصرت ہے اور ''انصار'' کبھی ''مہاجرین'' کے برابر نہیں ہو سکتے۔

۴: اس راہ میں کام کرنے والوں کی مدد زکوٰۃ صدقات سے زیادہ ہدیہ کی صورت میں کی جائے۔ زکوٰۃ وصدقات کی مثال ہانڈی کے میل کچیل اور اجزاء ردیہ کی سی ہے کہ اس کو نکالنا ضروری ہے ورنہ ساری ہنڈیا خراب رہے گی اور ہدیہ کی مثال ایسے سمجھو کہ تیار کھانے میں خوشبو ڈالی جائے اور اس پر چاندی سونے کے ورق لگا دیئے جائیں۔

۵: دین کے لئے گھر سے نکلنے والوں کی مدد کی ایک اعلیٰ صورت یہ بھی ہے کہ ان کے گھر والوں کے پاس جا کر ان کے سودا سلف اور ان کی ضرورتوں کی فکر کریں، اور ان کو آرام پہنچانے کی کوشش کریں اور انہیں بتائیں کہ تمہارے گھر کے لوگ کیسے عظیم الشان کام میں نکلے ہوئے ہیں، اور وہ کس قدر خوش نصیب ہیں، غرض یہ خدمت اور ترغیب سے ان کو اتنا مطمئن کریں کہ وہ خود اپنے گھر کے نکلے ہوئے لوگوں کو لکھیں کہ ''ہم لوگ یہاں ہر طرح آرام سے ہیں، تم اطمینان سے دین کے کام میں لگے رہو۔''

۶: مالی مدد کے سلسلے میں تفقد احوال کی بھی ضرورت ہے (یعنی دین کے کام میں لگے رہنے والوں کے حالت پر غور کرے، اور بالا بالا (کبھی کبھی) ٹوہ لگائے کہ ان کی کیا ضروریات ہیں، اور ان کی گذر بسر کیسی ہے)۔

۷: تفقد احوال کی ایک صورت جس کو خاص طور سے رواج دینا چاہیے یہ ہے کہ بڑے لوگ اپنی مستورات کو دین کے واسطے نکلنے والے غرباء کے گھروں میں بھیجا کریں۔ اس سے اُن غرباء کے اہل خانہ کی دلداری اور حوصلہ افزائی بھی ہوگی اور ان کے اندرونی حالات کا بھی کچھ علم ہوگا۔

(۱۱۴)

اسی سلسلے میں فرمایا: اِنفاق فی سبیل اللہ (راہِ خدا میں خرچ کرنے) پر نصوص میں دنیوی برکات کا جو وعدہ کیا گیا ہے وہ اس کا ''اجر'' نہیں ہے۔ نیکیوں کے اصل اجر کا تو یہ عالم تحمل ہی نہیں کر سکتا، وہاں کی خصوصی نعمتوں کی برداشت یہاں کہاں؟ اس دنیا میں تو پہاڑ جیسی سخت مخلوق اور حضرت موسیٰؑ جیسے جلیل القدر پیغمبر بھی ایک تجلی کی تاب نہ لا سکے۔ ''فَلَمَّا تَجَلّٰى رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ جَعَلَهٗ

Scanned by CamScanner

وَخَرَّ مُوْسٰى صَعِقًا"

فرمایا: جنت کی نعمتیں اگر یہاں بھیج دی جائیں تو خوشی سے موت واقع ہو جائے۔ یہی حال وہاں کے عذاب کا ہے۔ اگر دوزخ کا ایک بچھو اس دنیا کی طرف رخ کرے تو ساری دنیا اس کے زہر کی تیزی سے سوخت ہو جائے۔

(۱۱۵)

اسی سلسلے میں فرمایا: راہِ خدا میں خرچ کرنے والوں کی مثال قرآنِ پاک میں جو اس شخص سے دی گئی ہے جس نے ایک دانہ بویا اور اس سے سات دانے پیدا ہوئے: "مَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْۢبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِيْ كُلِّ سُنْۢبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ ۗ وَاللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَآءُ ۗ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ"

تو یہ تمثیل دنیوی برکات ہی کی ہے۔ آخرت میں اس انفاق کا جو اجر ملے گا وہ تو بہت ہی وراء الوراء ہوگا اور اس کی طرف اشارہ اس سے اگلی آیت میں ہے "اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ لَا يُتْبِعُوْنَ مَآ اَنْفَقُوْا مَنًّا وَّلَآ اَذًى ۙ لَّهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ" اس میں "لَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ" کا اشارہ اسی اصلی اجر کی طرف ہے جو موت کے بعد عالم آخرت میں ملنے والا ہے۔

(۱۱۶)

اسی سلسلے میں فرمایا: اصل تو یہی ہے کہ رضائے الٰہی اور اجرِ اُخروی ہی کے لئے دینی کام کیا جائے، لیکن ترغیب میں حسبِ موقع دنیوی برکات کا بھی ذکر کرنا چاہیے بعض آدمی ایسے ہوتے ہیں کہ ابتداءً دنیوی برکات ہی کی امید پر کام میں لگتے ہیں، اور پھر اسی کام کی برکت سے اللہ تعالیٰ انہیں حقیقی اخلاص بھی عطاء فرما دیتا ہے۔

فرمایا: دُنیوی برکات ہمارے لئے موعود ہیں، ان کو مقصود اور مطلوب نہیں بنانا چاہیے، لیکن ان کے لئے دعائیں خوب کرنا چاہئیں۔ اللہ کی طرف سے آنے والی ہر نعمت کا بندہ بہت محتاج ہے۔

رَبِّ اِنِّيْ لِمَآ اَنْزَلْتَ اِلَيَّ مِنْ خَيْرٍ فَقِيْرٌ (القصص)

Scanned by CamScanner

(۱۱۷)

فرمایا: اللہ تعالیٰ نے جو وعدے فرمائے ہیں بلا شبہ وہ بالکل یقینی ہیں اور آدمی اپنی سمجھ بوجھ اور اپنے تجربات کی روشنی میں جو کچھ سوچتا ہے اور جو منصوبے قائم کرتا ہے وہ محض ظنی اور وہمی باتیں ہیں مگر آج کا عام حال یہ ہے کہ اپنے ذہنی منصوبوں اور اپنے تجویز کئے ہوئے وسائل و اسباب اور اپنی سوچی ہوئی تدابیر پر یقین و اعتماد کر کے لوگ ان کے مطابق جتنی محنتیں اور کوششیں کرتے ہیں اللہ کے وعدوں کی شرطیں پوری کر کے ان کا مستحق بننے کے لئے اتنا نہیں کرتے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اپنے خیالی اسباب پر ان کو جتنا اعتماد ہے اتنا اللہ کے وعدوں پر نہیں ہے، اور یہ حال صرف ہمارے عوام کا ہی نہیں ہے بلکہ سب ہی عوام و خواص "اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰہُ" الٰہی وعدوں والے یقینی اور روشن راستہ کو چھوڑ کر اپنی ظنی اور وہمی تدبیروں ہی میں الجھے ہوئے ہیں۔ پس ہماری اس تحریک کا خاص مقصد یہ ہے کہ مسلمانوں کی زندگی سے اس اصولی اور بنیادی خرابی کو نکالنے کی کوشش کی جائے اور ان کی زندگیوں اور سرگرمیوں کو ظنون و اوہام کی لائن کے بجائے الٰہی وعدوں کے یقینی راستے پر ڈالا جائے۔ انبیاءؑ کا طریقہ یہی ہے اور انہوں نے اپنی اُمتوں کو یہی دعوت دی ہے کہ وہ اللہ کے وعدوں پر یقین کر کے اور بھروسہ کر کے ان کی شرطوں کو پورا کرنے میں اپنی ساری کوششیں صرف کر کے ان کے مستحق بنیں۔ اللہ کے وعدوں کے بارے میں جیسا تمہارا یقین ہوگا ویسا ہی تمہارے ساتھ اللہ کا معاملہ ہوگا۔

حدیث قدسی ہے: (حضرت مولاناؒ کا یہ ملفوظ بہت مختصر الفاظ میں تھا۔ عام ناظرین کو اس کا سمجھنا مشکل ہوتا ناچیز مرتب نے کسی قدر وضاحت اور تشریح کے ساتھ اپنی عبارت میں حضرت کے مطلب کو ادا کیا ہے، گویا اس ملفوظ کے الفاظ و عبارت کی ذمہ داری خصوصیت سے اس عاجز پر ہے اگرچہ اکثر دوسرے ملفوظات میں بھی توضیح و تسہیل کے لئے تعبیر اور طرزِ ادا میں کچھ جزوی ردوبدل کیا گیا ہے۔)

اَنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِیْ بِیْ۔

(۱۱۸)

فرمایا: اس راہ میں کام کرنے کی صحیح ترتیب یوں ہے کہ جب کوئی قدم اٹھانا ہو، مثلاً خود تبلیغ کے لئے جانا ہو یا تبلیغی قافلہ کہیں بھیجنا ہو، یا شکوک و شبہات رکھنے والے کسی شخص کو مطمئن

Scanned by CamScanner

کرنے کے لئے اس سے مخاطب ہونے کا ارادہ ہو تو سب سے پہلے اپنی نا اہلیت اور بے بسی اور وسائل واسباب سے اپنی تہی دستی کا تصور کر کے اللہ کو حاضر و ناظر اور قادر مطلق یقین کرتے ہوئے پورے الحاح وزاری کے ساتھ اس سے عرض کریں کہ خداوندا تو نے بارہا بغیر اسباب کے بھی محض اپنی قدرت کاملہ سے بڑے بڑے کام کر دیئے ہیں۔ الٰہی بنی اسرائیل کے لئے تو نے محض اپنی قدرت ہی سے سمندر میں خشک راستہ پیدا کر دیا تھا۔ حضرت ابراہیمؑ کے لئے تو نے اپنی رحمت اور قدرت ہی سے آگ کو گلزار بنا دیا تھا اور اے اللہ تو نے اپنی حقیر حقیر مخلوقات سے بھی بڑے بڑے کام لئے ہیں، ابابیل سے تو نے ابرہہ کے ہاتھیوں والے لشکر کو شکست دلوائی اور اپنے گھر کی حفاظت کرائی۔ عرب کے اونٹ چرانے والے اُمیوں سے تو نے دین کو ساری دنیا میں چمکایا اور قیصر وکسریٰ کی سلطنتوں کو ٹکڑے ٹکڑے کرا دیا۔ پس اے اللہ! اپنی اسی سُنت قدیمہ کے مطابق مجھ نکمے اور ناکارہ اور عاجز و بے بس بندے سے بھی کام لے اور میں تیرے دین کے جس کام کا ارادہ کر رہا ہوں اس کے لئے جو طریقہ تیرے نزدیک صحیح ہے مجھے اس کی طرف رہنمائی فرما، اور جن اسباب کی ضرورت ہو وہ محض اپنی قدرت سے مہیا فرما دے۔

پس اللہ سے یہ دعاء مانگ کر پھر کام میں لگ جائے جو اسباب اللہ کی طرف سے ملتے رہیں ان سے کام لیتا رہے اور صرف اللہ ہی کی قدرت ونصرت پر کامل بھروسہ رکھتے ہوئے اپنی کوشش بھی بھرپور کرتا رہے اور رو رو کر اس سے نصرت اور ''انجاز وعد'' (وعدۂ قرآنی: ''كَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِينَ۝'' کی طرف اشارہ ہے۔) کی التجائیں بھی کرتا رہے بلکہ اللہ کی مدد ہی کو اصل سمجھے اور اپنی کوشش کو اس کے لئے شرط اور پردہ سمجھے۔

(۱۱۹)

فرمایا: خود کام کرنے سے بھی زیادہ توجہ اور محنت دوسروں کو اس میں لگانے اور انہیں کام سکھانے کے لئے کرنی چاہیے۔ شیطان جب کسی کے متعلق یہ سمجھ لیتا ہے کہ یہ تو کام کے لئے کھڑا ہو ہی گیا اور اب میرے بٹھائے بیٹھنے والا نہیں تو پھر اس کی کوشش یہ ہوتی ہے کہ یہ خود تو لگا رہے مگر دوسروں کو لگانے کی کوشش نہ کرے، اور اس لئے وہ اس پر راضی ہو جاتا ہے کہ یہ شخص اس کارِ خیر میں ہمہ تن اس قدر انہماک سے لگ جائے کہ دوسروں کو دعوت نہ دینے اور لگانے کا اس کو ہوش ہی نہ ہو، پس شیطان کو شکست یوں ہی دی جا سکتی ہے کہ دوسروں کو اٹھانے اور انہیں کام پر لگانے اور

Scanned by CamScanner

کام سکھانے کی طرف زیادہ سے زیادہ توجہ دی جائے اور دعوت الی الخیر اور دلالت علی الخیر کے کام پر اجر وثواب کے جو وعدے قرآن وحدیث میں فرمائے گئے ہیں ان کا تصور اور دھیان کرتے ہوئے اور اسی کو اپنی ترقی اور تقرب کا اعلیٰ ذریعہ سمجھتے ہوئے اس کے لئے کوشش کی جائے۔

(۱۲۰)

فرمایا: دین میں ٹھہراؤ نہیں۔ یا تو آدمی دین میں ترقی کر رہا ہوتا ہے اور یا نیچے گرنے لگتا ہے۔ اس کی مثال یوں سمجھو کہ باغ کو جب پانی اور ہوا موافق ہو تو وہ سرسبزی اور شادابی میں ترقی ہی کرتا رہتا ہے اور جب موسم ناموافق ہو یا پانی نہ ملے تو ایسا نہیں ہوتا کہ وہ سرسبزی اور شادابی اپنی جگہ پر ٹھہری رہے بلکہ اس میں انحطاط شروع ہو جاتا ہے۔ یہی حالت آدمی کے دین کی ہوتی ہے۔

(۱۲۱)

فرمایا: لوگوں کو دین کی طرف لانے اور دین کے کام میں لگانے کی تدابیر سوچا کرو (جیسے دنیا والے اپنے دنیاوی مقاصد کے لئے تدبیری سوچتے رہتے ہیں) اور جس کو جس طرح سے متوجہ کر سکتے ہو اس کے ساتھ اسی راستہ سے کوشش کرو: ''وَأْتُوا الْبُيُوتَ مِنْ أَبْوَابِهَا''

(۱۲۲)

فرمایا: طبیعت مایوسی کی طرف زیادہ چلتی ہے، کیونکہ مایوس ہو جانے کے بعد آدمی اپنے کو عمل کا ذمہ دار سمجھتا اور پھر اسے کچھ کرنا نہیں پڑتا۔ خوب سمجھ لو یہ نفس شیطان کا بڑا گید ہے۔

(۱۲۳)

فرمایا: اسباب کی کمی پر نظر ڈال کر مایوس ہو جانا اس بات کی نشانی ہے کہ تم اسباب پرست ہو اور اللہ کے وعدوں اور اس کی غیبی طاقتوں پر تمہارا یقین بہت کم ہے، اللہ پر اعتماد کر کے اور ہمت کر کے اُٹھو تو اللہ ہی اسباب مہیا کرتا دیتا ہے، ورنہ آدمی خود کیا کر سکتا ہے مگر ہمت اور استطاعت بھر جُہد شرط ہے۔

☆☆☆

Scanned by CamScanner

قسط نمبر ۸

(۱۲۴)

جو لوگ زندگی کے انفرادی معاملات یا اجتماعی امور میں یورپ کی مسیحی اقوام کے طور طریقوں کی تقلید کر رہے ہیں اور اسی کو اس زمانے میں صحیح طریقہ سمجھتے ہیں ان کے رویّے پر رنج و افسوس کا اظہار کرتے ہوئے ایک صحبت میں فرمایا:

''ذرا سوچو! جس قوم کے آسمانی علوم (یعنی حضرت مسیح ؑ کے لائے ہوئے علوم) کا چراغ، علوم محمدیؐ (قرآن وحدیث) کے سامنے گل ہو گیا بلکہ من جانب اللہ منسوخ قرار دیا گیا اور براہِ راست اس سے روشنی حاصل کرنے کی صاف ممانعت فرما دی گئی، اسی قوم کی ''اھواء ومانی'' (یعنی ان یورپین مسیحی اقوام کے اپنے خود ساختہ نظریوں) کو اس حاملِ قرآن وسنت امتِ محمدیہ ﷺ کا اختیار کر لینا اور اس کو صحیح طریقۂ کار سمجھنا اللہ تعالیٰ کے نزدیک کتنا قبیح اور کس قدر موجب غضب ہوگا؟ اور عقلاً بھی یہ بات کتنی غلط ہے کہ محمدی ﷺ وحی کے محفوظ ہوتے ہوئے جس میں زندگی کے تمام انفرادی اور اجتماعی شعبوں کے متعلق کامل ہدایات موجود ہیں) عیسائی قوموں کے طور طریقوں کی پیروی کی جائے، کیا یہ علومِ محمدیؐ کی سخت ناقدری نہیں ہے؟

(۱۲۵)

فرمایا: ہم جس دینی کام کی دعوت دیتے ہیں بظاہر تو یہ بڑا سادہ سا کام ہے لیکن فی الحقیقت بڑا نازک ہے، کیونکہ یہاں مقصود صرف کرنا کرانا نہیں ہے بلکہ اپنی سعی کر کے اپنی عاجزی کا یقین اور اللہ تعالیٰ کی قدرت ونصرت پر اعتماد پیدا کرنا ہے۔ سنت اللہ یہی ہے کہ اگر اللہ کی مدد کے بھروسے پر اپنی سی کوشش ہم کریں تو اللہ تعالیٰ ہماری کوشش اور حرکت ہی میں اپنی مدد کو شامل کر دیتے ہیں۔ قرآنِ مجید کی آیت ''وَيَزِدْكُمْ قُوَّةً إِلَىٰ قُوَّتِكُمْ'' میں اسی طرف اشارہ ہے اپنے کو بالکل بے کار سمجھ کے بیٹھے رہنا ''جبریت'' ہے اور اپنی ہی قوت پر اعتماد کرنا ''قدریت'' ہے (اور یہ دونوں گمراہیاں ہیں) اور صحیح اسلام ان دونوں کے درمیان ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے

Scanned by CamScanner

جدو جہد اور کوشش کی جو حقیری سی قوت اور صلاحیت ہم کو بخش رکھی ہے، اللہ کے حکم کی تعمیل میں اس کو پورا لگا دیں اور اس میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھیں لیکن نتائج کے پیدا کرنے میں اپنے کو بالکل عاجز اور بے بس یقین کریں اور صرف اللہ تعالیٰ کی مدد ہی پر اعتماد کریں اور صرف اسی کو کارفرما سمجھیں۔

فرمایا: اُسوۂ نبوی ﷺ سے اس کی پوری تفصیل معلوم کی جا سکتی ہے، مسلمانوں کو ہماری دعوت بس یہی ہے۔

(۱۲۶)

فرمایا: میں چاہتا ہوں کہ اب میوات میں فرائض (یعنی تقسیم میراث کے شرعی طریق) کو زندہ کرنے اور رواج دینے کی طرف خاص توجہ کی جائے اور اب جو تبلیغی وفود وہاں جائیں وہ فرائض کے باب کے وعدوں اور وعیدوں کو خوب یاد کر کے جائیں۔

(۱۲۷)

اسی سلسلۂ کلام میں فرمایا:

"عمل کی کوتاہی پر ہی "خلود فی النار" نہیں ہے بلکہ خلود ہے عدم یقین اور تکذیب پر۔"

(۱۲۸)

فرمایا: ہر عمل کا جزو اخیر اعتراف تقصیر اور خشیۂ رد (یعنی عمل کے قبول نہ ہونے کا خطرہ) ہونا چاہیے یعنی ہر نیک عمل کو اپنی طرف سے تو بہتر سے بہتر ادا کرنے کی کوشش کرے لیکن پھر اس کے خاتمے پر یہ احساس ہونا چاہیے کہ جیسا اللہ کا حق تھا، اور جیسا کرنا چاہیے تھا ویسا نہیں ہو سکا اور اس کی بناء پر دل میں یہ خوف اور خطر ہونا چاہیے کہ کہیں ہمارا عمل ناقص اور خراب ہونے کی وجہ سے مردود قرار دے کر قیامت میں ہمارے منہ پر نہ مار دیا جائے۔

اور پھر اسی احساس اور اسی خوف و خطر کی بناء پر اللہ تعالیٰ کے سامنے رویا جائے اور بار بار استغفار کیا جائے۔

(۱۲۹)

فرمایا: اعتقادات کے بارے میں بھی اصول یہ ہے کہ اپنی طرف سے تو اعتقاد کو واثق اور

Scanned by CamScanner

مضبوط رکھنے کی پوری کوشش کرے اور اس کے خلاف وساوس کو بھی نہ آنے دو، لیکن پھر بھی ڈرتا رہے کہ کما حقہ یقین مجھے حاصل ہے یا نہیں۔

فرمایا: صحیح بخاری شریف میں ابن ابی ملکیہ کا جو یہ ارشاد نقل کیا گیا ہے کہ ''لَقِیْتُ ثَلٰثِیْنَ مِنْ اَصْحَابِ النَّبِیِّ ﷺ کُلُّھُمْ یَخْشٰی عَلٰی نَفْسِہِ النِّفَاقَ'' اَوْ کَمَا قَالَ (ترجمہ: ابن ابی ملکیہ تابعیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے تیس صحابیوں سے ملاقات کی، میں نے ان میں سے ہر ایک کو اپنے نفس کے بارے میں نفاق سے ڈرتا ہوا پایا۔) تو اس کی حقیقت یہی ہے۔

فرمایا: اعتقاد اور یقین کی ضرورت اس لئے بھی ہے کہ اللہ و رسولؐ نے جو کچھ فرمایا ہے دل کی طرف سے ہیبت اور توقیر اور اعزاز کے ساتھ اس کا استقبال ہو، اس صورت میں عمل بھی ہوگا اور عمل میں جان بھی ہوگی۔

(۱۳۰)

ایک دینی مدرسے کے ایک مشہور استاد کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

''میں نے ان سے کہا کہ آپ لوگوں کے، اللہ کی نظر سے گرنے اور پھر اسی کے نتیجے میں دنیا کی نظروں سے بھی گر جانے کی ایک خاص وجہ یہ ہے کہ اللہ و رسولؐ کے رشتہ سے جو تعلقات ہیں ان کی توقیر آپ لوگوں میں نہیں رہی اور دنیوی اور مادی تعلقات کے دباؤ کو آپ زیادہ قبول کرنے لگے۔ دیکھو! میرا تمہارا تعلق صرف اللہ و رسولؐ کے واسطے ہیں۔ میں نے تمہیں بلایا تم نہیں آئے لیکن.... کے ایک خط نے تمہیں بلا لیا (حالانکہ ان میں یہی بات تو زیادہ ہے کہ وہ دولت مند ہیں اور ان سے اور ان کے اثر سے چندہ ملتا ہے) تو ہماری بنیادی بیماری ہے۔۔۔۔ اللہ و رسول کے واسطے سے اور ان کی طرف سے کہنے والوں کو سننا اور نہ ماننا۔''

اسی سلسلے میں فرمایا:

''میں اب میوات میں یہ بات کرنا چاہتا ہوں کہ وہ اپنے نزاعات کا فیصلہ اللہ و رسولؐ سے تعلق رکھنے والوں سے اور شریعت کے مطابق کرائیں اور ان کا جذبہ یہ ہو کہ اللہ و رسولؐ سے تعلق رکھنے والوں کے فیصلے سے اگر آدھا بھی ملے تو وہ سراسر رحمت اور برکت ہے اور

Scanned by CamScanner

خلافِ شریعت فیصلے کرنے والے سارا بھی دلوائیں تو وہ سراسر وبال اور بے برکت ہے۔"

فرمایا: قرآن مجید کی آیت: "فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتّٰى يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا" کا مدعا یہی ہے لیکن یہ بات ایک دم پیدا نہیں ہوسکتی، بلکہ اس کی صورت یہ ہے کہ پہلے ان میں اللہ و رسولؐ کی اطاعت اور احکامِ شریعت کی پیروی کا شوق پیدا کیا جائے اور اس چیز کو ان کی طبیعتوں پر غالب کیا جائے اور پھر حکمت و تدریج کے ساتھ یہ بات ان میں پیدا کی جائے کہ اللہ و رسولؐ کی اطاعت کی عملی صورت یہی ہے کہ اللہ و رسولؐ سے صحیح تعلق رکھنے والے دین کی جو باتیں بتائیں ان کو عظمت و توقیر سے مانا جائے، اور ذوق و شوق سے ان پر عمل کیا جائے۔ یہی طریقہ زندگیوں کے رخ کو پلٹنے کا ہے۔

(۱۳۱)

فرمایا: میرے نزدیک حقیقی دین یہ ہے کہ اس عالم کے اسباب کو اللہ تعالیٰ کے امرِ تکوینی کا پردہ سمجھنے لگے، اور یہ یقین کرنے لگے کہ اس پردے میں کرنے والا کوئی اور ہ اور اس کا فعل اور حکم حقیقی سبب ہے، گویا بجائے ظاہر اسباب کے اللہ تعالیٰ کے غیبی حکم ہی کو حقیقی سمجھنے لگے (اور ظاہری اسباب میں کوشش کرنے سے بھی زیادہ کوشش اس کی کرے کہ اللہ تعالیٰ مجھ سے راضی ہو کر میرا کام پورا کردے گا۔)

فرمایا: قرآن مجید کی آیت: "وَمَنْ يَتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا ۙ وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ ؕ" (الطلاق)

(۱۳۲)

پنجاب کے ایک دیندار مسلمان کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

"وہ جب پہلی دفعہ یہاں آئے تو اتفاق سے میں اس وقت ابن ماجہ شریف کا سبق پڑھ رہا تھا، انہوں نے سلام کیا، میں نے حدیث کے درس میں مشغولیت کی وجہ سے جواب نہیں دیا۔ پھر وہ وہیں بیٹھ گئے اور تھوڑی دیر کے بعد (سبق ہی کے دوران میں) انہوں نے کہا کہ میں فلاں جگہ سے آیا ہوں۔ میں نے اس کا بھی کوئی جواب نہیں دیا۔ کچھ دیر بعد وہ اٹھ کر چلنے لگے۔ اب میں نے ان سے پوچھا کہ آپ کیوں آئے تھے؟ انہوں

Scanned by CamScanner

نے کہا ''زیارت کے لئے۔'' میں نے کہا جس ''زیارت'' کی حدیثوں میں ترغیب اور فضیلت آئی ہے وہ یہ نہیں ہے کہ کسی کی صرف صورت دیکھ لی جائے تو یہ ایسا ہی ہے جیسے کہ کسی کی تصویر دیکھ لی۔ شرعی زیارت یہ ہے کہ اس کی بات پوچھی جائے، اس کی سنی جائے اور آپ نے تو نہ اپنی کچھ کہی اور نہ میری کچھ سنی۔ انہوں نے کہا کیا میں ٹھہروں؟ میں نے کہا ضرور۔ چنانچہ وہ ٹھہر گئے، پھر جب انہوں نے میری بات کو سنا اور سمجھا اور یہاں کے کام کو دیکھا تو اپنے بڑے بھائی کو بلایا، اگر میں اسی وقت اسی طور پر مختصر بات ان سے کر لیتا تو جو کچھ بعد میں ہوا کچھ بھی نہ ہوتا اور وہ بس ''زیارت'' ہی کر کے چلے جاتے۔

فرمایا: زمانے کے بدلنے سے دینی اصطلاحات کے معنی بھی بدل گئے اور ان کی روح نکل گئی۔ دین ''میں مُسلم کی مسلم سے ملاقات'' کی فضیلت اس لئے ہے کہ اس میں دین کی باتیں ہوں۔ جس ملاقات میں دین کا کوئی ذکر و فکر نہ ہو وہ ملاقات بے روح ہے۔

(۱۳۳)

فرمایا: ہمارے نزدیک اصلاح کی ترتیب یوں ہے کہ (کلمۂ طیبہ کے ذریعے ایمانی معاہدے کی تجدید کے بعد) سب سے پہلے نمازوں کی درستی اور تکمیل کی فکر کی جائے، نماز کی برکات باقی پوری زندگی کو سُدھاریں گی، نماز کی درستی ساری زندگی کے سدھار کا سرچشمہ ہے اور نماز ہی کے صلاح اور کمال سے باقی زندگی پر صلاحیت اور کمال کا فیضان ہوتا ہے۔ (اس اجمال کی کچھ تفصیل خاکسار مرتب ملفوظات کے رسالہ ''نماز کی فضیلت'' سے معلوم ہو سکتی ہے جو چھپ کر شائع ہو چکا ہے۔)

(۱۳۴)

فرمایا: ہماری اس دینی دعوت میں کام کرنے والے سب لوگوں کو یہ بات اچھی طرح سمجھنا دینی چاہیے کہ تبلیغی جماعتوں کے نکلنے کا مقصد صرف دوسروں کو پہنچانا اور بتانا ہی نہیں ہے بلکہ اس ذریعے سے اپنی اصلاح اور اپنی تعلیم و تربیت بھی مقصود ہے، لہٰذا نکلنے کے زمانے میں علم اور ذکر میں مشغولیت کا بہت زیادہ اہتمام کیا جائے۔ علم دین اور ذکر اللہ کے اہتمام کے بغیر نکلنا

Scanned by CamScanner

کچھ بھی نہیں ہے۔ پھر یہ بھی ضروری ہے کہ علم و ذکر میں یہ مشغولیت اس راہ کے اپنے بڑوں سے وابستگی رکھتے ہوئے اور ان کے زیر ہدایت و نگرانی ہو۔ انبیاءؑ کا علم و ذکر اللہ تعالیٰ کے زیر ہدایت تھا اور صحابہ کرامؓ حضور ﷺ سے علم و ذکر لیتے تھے اور رسولِ اکرم ﷺ ان کی پوری پوری نگرانی فرماتے تھے۔ اسی طرح ہر زمانے کے لوگوں نے اپنے بڑوں سے علم و ذکر کر لیا اور ان کی نگرانی اور رہنمائی میں تکمیل کی۔ ایسے ہی آج بھی ہم اپنے بڑوں کی نگرانی کے محتاج ہیں، ورنہ شیطان کے جال میں پھنس جانے کا اندیشہ ہے۔

☆☆☆

Scanned by CamScanner

قسط نمبر ۹

۱۳۵

فرمایا: ہماری یہ تبلیغی تحریک، دینی تعلیم وتربیت پھیلانے اور دینی زندگی کو عام کرنے کی تحریک ہے اور اس کے جو اصول ہیں بس ان ہی کی رعایت اور نگہداشت میں اس کی کامیابی کا راز مضمر ہے۔ ان اصولوں میں سے ایک اہم اصول یہ ہے کہ مسلمانوں کے جس طبقے کا جو حق اللہ تعالیٰ نے رکھا ہے اس کو ادا کرتے ہوئے اس دعوت کو اس کے سامنے پیش کیا جائے۔

مسلمانوں کے تین طبقے:

۱: پسماندہ (غرباء)　　　۲: اہل وقار　　　۳: علماءِ دین

ان سب کے ساتھ جو معاملہ ہونا چاہیے اس کو یہ حدیث جامع ہے:

مَنْ لَمْ يَرْحَمْ صَغِيْرَنَا وَلَمْ يُوَقِّرْ كَبِيْرَنَا وَلَمْ يُبَجِّلْ عُلَمَائَنَا فَلَيْسَ مِنَّا۔

پس قوم میں جو چھوٹے ہوں ان کا حق (رحم و خدمت) اور جو اصحاب وقار اور اہل وجاہت ہوں ان کا حق (توقیر) اور علماءِ دین کا حق (تعظیم) ادا کر کے ان کو یہ دعوت دی جائے۔

''وَأْتُوا الْبُيُوْتَ مِنْ أَبْوَابِهَا۔''

۱۳۶

دلی کے ایک تاجر ایک تبلیغی جماعت کے ساتھ کام کر کے سندھ سے واپس آئے تھے، وہاں کے کام کی رپورٹ ان سے سن کر حضرت نے فرمایا:

''دوستو! ہمارا یہ کام (اصلاحی و تبلیغی جدّ و جہد) ایک طرح کا عمل تسخیر ہے (یعنی جو کوئی اس کام میں لگے گا اور اس کو اپنی دھن بنالے گا اللہ تعالیٰ اس کے کام بناتا رہے گا) ''مَنْ كَانَ لِلّٰهِ كَانَ اللّٰهُ لَهٗ'' اگر تم اللہ کے کام میں لگو گے تو زمین و آسمان اور فضا کی ہوائیں تمہارے کام انجام دیں گی۔ تم اللہ کے کام میں گھر اور کاروبار چھوڑ کر نکلے تھے، اب آنکھوں سے دیکھ لینا کہ تمہارے کاروبار میں کتنی برکت ہوتی ہے۔ اللہ کی نصرت کر کے

جو اس کی نصرت و رحمت کی امید نہ رکھے وہ فاسق اور بے نصیب ہے۔"

مرتب عرض کرتا ہے کہ آخری فقرہ آپ نے ایسے انداز اور اتنے جوش سے کہا کہ حاضرین مجلس کے دل ہل گئے۔

(۱۳۷)

فرمایا: ہمارے اس کام کی صحیح ترتیب تو یہی ہے کہ پہلے قریب قریب جایا جائے اور اپنے ماحول میں کام کرتے ہوئے آگے بڑھا جائے۔ مثلاً یہاں جماعتیں پہلے کرنال، پانی پت وغیرہ جائیں، پھر وہاں سے پنجاب اور ریاست بہاولپور کے علاقوں میں کام کرتی ہوئی سندھ جائیں۔ لیکن کبھی کبھی کارکنوں میں عزم اور پختگی کار پیدا کرنے کے لئے ابتداءً دور دور بھیج دیا جاتا ہے۔ اس وقت سندھ، بمبئی وغیرہ جماعتیں بھیجنے سے یہی مقصد ہے، ان طویل سفروں سے عزم اور کام کا عشق پیدا ہوگا۔

(۱۳۸)

فرمایا: ہمارے اس کام میں پھیلاؤ سے زیادہ رُسوخ اہم ہے لیکن اس کام کا طریقہ ایسا ہے کہ رُسوخ بغیر اس کے پیدا ہی نہیں ہوگا کہ اس دعوت کو لے کر شہروں اور ملکوں ملکوں پھرا جائے۔

(۱۳۹)

ایک نیاز مند سے جن کو مولانا کے تبلیغی کام سے بھی تعلق تھا اور اس کے علاوہ تحریر و تصنیف ان کا خاص مشغلہ تھا) ایک دن فرمایا:

"میں اب تک اس کو پسند نہیں کرتا تھا کہ اس تبلیغی کام کے سلسلے میں کچھ زیادہ لکھا پڑھا جائے اور تحریر کے ذریعے اس کی دعوت دی جائے، بلکہ میں اس کو منع کرتا رہا لیکن اب میں کہتا ہوں کہ لکھا جائے اور تم بھی خوب لکھو۔ مگر یہاں کے فلاں فلاں کام کرنے والوں کو میری یہ بات پہنچا کر ان کی رائے بھی لے لو (چنانچہ ان نامزد حضرات کو حضرت مولانا کی یہ بات پہنچا کر مشورہ طلب کیا گیا، ان صاحبان نے اپنی یہ رائے ظاہر کی کہ اس بارے میں اب تک جو طرزِ عمل رہا ہے وہی اب بھی رہے، ہمارے نزدیک یہی بہتر

Scanned by CamScanner

ہے)۔ حضرت مولانا کو جب ان حضرات کی یہ رائے پہنچائی گئی تو فرمایا پہلے ہم بالکل کسمپرسی کی حالت میں تھے، کوئی ہماری بات سنتا نہیں تھا اور کسی کی سمجھ میں ہماری بات آتی نہیں تھی، اس وقت یہی ضروری تھا کہ ہم خود ہی چل پھر کر لوگوں میں طلب پیدا کریں اور عمل سے اپنی بات سمجھائیں۔ اس وقت اگر تحریر کے ذریعے عام دعوت دی جاتی تو لوگ کچھ کا کچھ سمجھتے اور اپنے سمجھنے کے مطابق ہی رائے قائم کرتے، اور اگر بات کچھ دِل کو لگتی تو اپنی سمجھ کے مطابق کچھ سیدھی کچھ الٹی اس کی عملی تشکیل کرتے اور پھر جب نتائج غلط نکلتے تو ہماری اسکیم کو ناقص کہتے۔ اس لئے ہم یہ بہتر نہیں سمجھتے تھے کہ لوگوں کے پاس تحریر کے ذریعہ ہماری دعوت پہنچے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم اور اس کی مدد سے اب حالات بدل چکے ہیں، ہماری بہت سی جماعتیں ملک کے اطراف میں نکل کر کام کا طریقہ دکھلا چکی ہیں، اور اب لوگ ہمارے کام کے طالب بن کر خود ہمارے پاس آتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ نے ہم کو اتنے آدمی دے دیئے ہیں کہ اگر مختلف اطراف میں طلب پیدا ہو اور کام سکھانے کے لئے جماعتوں کی ضرورت ہو تو جماعتیں بھیجی جاسکتی ہیں۔ تو اب ان حالات میں بھی کسمپرسی والے ابتدائی زمانے ہی کے طریقہ کار کے ہر ہر جز پر جمے رہنا ٹھیک نہیں ہے، اس لئے میں کہتا ہوں کہ تحریر کے ذریعے بھی دعوت دینی چاہیے۔"

(۱۴۰)

فرمایا: اب یہ کہنا چھوڑ دو کہ تین دن دو یا پانچ دن دو، یا سات دن دو، بس یہ کہو راستہ یہ ہے، جو جتنا کرے گا اتنا پائے گا۔ اس کی کوئی حد اور کوئی سرا نہیں ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا کام سب نبیوںؑ سے آگے ہے اور حضرت ابوبکرؓ کی ایک رات اور ایک دن کے کام کو حضرت عمرؓ نہیں پاسکے، پھر اس کی غایت ہی کیا ہے۔ یہ تو سونے چاندی کی کان ہے، جتنا کھودو گے اتنا نکالو گے۔"

(۱۴۱)

مادی منافع کے لئے دشمنانِ اسلام کا آلۂ کار بننے والے مسلمانوں کا ذکر کرتے

Scanned by CamScanner

ہوئے فرمایا:

''اگر تم ان میں شکم پرستی اور غرض پرستی کی بجائے خدا پرستی کا جذبہ پیدا کر سکو گے تو پھر وہ پیٹ اور دوسری اغراض کی خاطر دشمنوں کے آلۂ کار کیوں بنیں گے، صحیح طریقہ یہی ہے کہ لوگوں کے دلوں کو اللہ کی طرف پھیر دو پھر ان کی پوری زندگی اللہ کے حکموں کے ماتحت ہو جائے گی، ''لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہ'' کا یہی مقصد ہے اور ہماری تحریک کی یہی بنیاد ہے۔''

(۱۴۲)

ایک دن حضرت نے غالباً یہ بیان فرماتے ہوئے کہ ہمارے اس کام کا بنیادی اصول یہ ہے کہ لوگوں میں پہلے ایمان یعنی اللہ و رسولؐ کی باتوں پر حقیقی یقین اور دین کی قدر پیدا کرنے کی کوشش کی جائے۔ اس کے بغیر دین کے تفصیلی احکام پیش کرنا صحیح نہیں ہے بلکہ اس سے لوگوں کے اندر اور ڈھٹائی پیدا ہوگی۔ ایک طالب علم کا قصہ اس طرح بیان فرمایا:

''کسی طالب علم کو ان کے بزرگ استاد نے یہ یقین دلا رکھا تھا کہ دنیا میں سب سے زیادہ بیش قیمت چیز علم دین ہے اور اس کا ایک ایک مسئلہ ہزاروں لاکھوں روپیوں سے زیادہ قیمتی ہے۔ ایک دن اس طالب علم کو اپنا ٹوٹا ہوا جوتا گٹھوانے کی ضرورت پڑی، وہ چمار کے پاس گیا، جب مزدوری کی بات چیت ہوئی تو اس طالبعلم نے کہا میں تجھ کو دین کا ایک مسئلہ بتلا دوں گا۔ اس نے پہلے مذاق سمجھا لیکن جب اسے اندازہ ہوا کہ یہ مذاق نہیں کہہ رہا ہے تو اس نے اسے اپنی دکان سے اٹھا دیا۔ وہ اپنے استاد کے پاس آیا اور کہا آپ تو کہتے تھے کہ دین کا ایک مسئلہ ہزاروں لاکھوں سے زیادہ قیمت کا ہوتا ہے اور چمار تو اس کے بدلے جوتا گھانٹھنے پر بھی تیار نہ ہوا۔ ان بزرگ نے (جو اس شہر کے مشہور شیخ اور مرجع خلائق تھے) طالب علم کو ایک ہیرا دیا اور اس سے کہا کہ ترکاری بازار میں جا کر اس کی قیمت چکواؤ۔ وہ پہلے ایک بیر والی کے پاس گیا اور اس سے پوچھا کہ یہ پتھر تو کتنے میں لے گی؟ اس نے کہا کہ یہ میرے کس کام کا ہے۔ چھٹانک بھر کا بھی نہیں کہ چھٹنکی بنالوں، خیر اگر تو دیوے ہی ہے تو پانچ بیر اس کے بدلے میں تجھے دے دوں گی۔ میرا بچہ اس سے کھیل لیا کرے گا۔ اس کے بعد ایک دوسری بیر والی سے انہوں نے

Scanned by CamScanner

بات کی، اس نے بھی یہی کہا کہ یہ میرے کسی کام کا نہیں ہے۔

یہ اپنے استاد کے پاس واپس آئے اور بتلایا کہ وہاں تو اس کو بیکار بتلایا گیا اور ایک بیر والی مشکل سے پانچ بیروں کے بدلے لینے پر تیار ہوئی۔

انہوں نے کہا کہ اب اس کو لے کر جوہری بازار جاؤ اور وہاں جوہریوں سے قیمت پوچھو، مگر دینا کسی کو نہیں۔

یہ گئے اور ایک جوہری کی دکان پر جا کر انہوں نے وہ ہیرا دکھایا۔ دکاندار نے اس طالب علم کی صورت دیکھ کر پہلے تو اس کو چور سمجھا لیکن جب یہ معلوم ہوا کہ یہ فلاں بزرگ کا بھیجا ہوا ہے تو کہا کہ یہ ہیرا ہم نہیں خرید سکتے، اس کو تو کوئی بادشاہ ہی خرید سکتا ہے۔

انہوں نے آکر اپنے استاد کو اس کی خبر دی۔

انہوں نے کہا کہ جس طرح بیری والی اس ہیرے کی قیمت کو نہیں جانتی تھی اور اس لئے وہ ایک پیسے میں بھی اس کو لینے کے لئے تیار نہیں ہوئی اسی طرح وہ چمار بھی نہیں جانتا تھا کہ دین کے مسئلہ کی کیا قیمت ہوتی ہے۔ غلطی تمہاری ہے کہ تم نے ناقدردان کو قدردان سمجھ لیا۔"

اس کے بعد اسی سلسلے میں دین کی قدر جاننے والے ایک بادشاہ کا واقعہ اس طرح بیان فرمایا:

"ایک دیندار اور دین کے قدرشناس بادشاہ نے اپنا لڑکا ایک مولوی صاحب کے حوالے کیا کہ اس کو علم دین پڑھاؤ۔ اتفاق سے وہ لڑکا بڑا ہی کودن اور بے سمجھ تھا۔ مولوی صاحب نے بار بار بادشاہ کو اطلاع دی کہ یہ پڑھنے کے قابل نہیں ہے، لیکن بادشاہ کا حکم یہی آتا رہا کہ اس کی بالکل پروانہ کرو، اگر وہ اپنی کم سمجھی کی وجہ سے اخذ نہیں کر سکتا تو تم عبور ہی کرا دو چنانچہ بس عبور ہی ہوتا رہا۔ جب یہ عبور پورا ہو گیا تو بادشاہ نے بڑی خوشی منائی اور لڑکے سے فرمائش کی کہ دین کی کوئی بات بیان کرو۔ اس نے کہا مجھے تو کچھ یاد نہیں۔ بادشاہ نے کہا کہ جو بھی مسئلہ تمہیں یاد ہو وہ بیان کرو۔ لڑکے نے اس وقت حیض کے متعلق ایک مسئلہ بیان کیا۔ بادشاہ نے برسر مجلس کہا کہ اگر میری ساری سلطنت خرچ ہو کر بھی تمہیں صرف یہی ایک مسئلہ آجاتا تو بھی نفع ہی نفع تھا۔"

Scanned by CamScanner

بھائیو! لوگوں سے دین پر عمل کرانے کے لئے پہلے ان میں حقیقی ایمان، آخرت کی فکر اور دین کی قدر پیدا کرو۔ اللہ کی داد و دہش بہت ہے مگر اس کے ہاں غیرت بھی ہے۔ وہ ناقدروں کو نہیں دیتا۔ تم بھی اپنے بڑوں کو اپنا بہت بڑا محسن سمجھو اور پوری طرح ان کی تعظیم و توقیر کرو۔ یہ منشاء ہے اس حدیث کا جس میں فرمایا گیا ہے:

مَنْ لَّمْ يَشْكُرِ النَّاسَ لَمْ يَشْكُرِ اللّٰهَ۔

ترجمہ: ''جس نے اپنے محسن آدمیوں کا شکر ادا نہ کیا اس نے اللہ کا بھی شکر ادا نہیں کیا۔''

(۱۴۳)

اسی سلسلے میں فرمایا: اس سلسلے کا ایک اصول یہ ہے کہ آزادی اور خود رائی نہ ہو، بلکہ اپنے کو ان بڑوں کے مشوروں کا پابند رکھو جن پر دین کے بارے میں اکابر مرحومین نے اعتماد ظاہر کیا۔ جن کا اللہ کے ساتھ خاص تعلق معلوم و مسلّم ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے بعد صحابہ کرامؓ کا عام معیار یہی تھا کہ وہ انہی اکابر پر زیادہ اعتماد کرتے تھے جن پر حضور ﷺ خاص اعتماد فرماتے تھے اور پھر بعد میں وہ حضرات زیادہ قابل اعتماد سمجھے گئے جن پر حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ نے اعتماد فرمایا تھا۔ دین میں اعتماد کے لئے بہت تیقظ کے ساتھ انتخاب ضروری ہے، ورنہ بڑی گمراہیوں کا بھی خطرہ ہے۔

(۱۴۴)

فرمایا: اکبر کی گمراہی کا خاص سبب یہی تھا کہ ابتداء میں اس نے علماء پر بہت اعتماد کیا، اور یہاں تک کیا کہ اپنی باگ ہی مجلس علماء کے ہاتھ میں دے دی، اور علماء کے انتخاب کی صلاحیت و قابلیت تھی نہیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ طالبان دنیا اور متنافسین کا جمگھٹا ہو گیا، جب اکبر کو ان کی بدنیتی اور غرض پرستی اور دنیا طلبی کا تجربہ ہوا تو وہ علماء سے سخت متنفر ہو گیا اور پھر تو بات یہاں تک پہنچ گئی کہ علماء سے اس نے کلی اجتناب اختیار کر لیا اور دوسرے، مذاہب کے پیشواء اس پر قابو یافتہ ہو گئے، پھر اسلام کی جگہ ''دین الٰہی'' بننے لگا۔ (امام ربانی حضرت مجدد الف ثانیؒ نے بھی اپنے بعض مکاتیب میں بالکل یہی چیز بیان فرمائی ہے اور علماء دنیا ہی کو اس کی ضلالت کا سبب بتلایا ہے۔)

Scanned by CamScanner

(۱۴۵)

فرمایا: میری اس بیماری اور کمزوری کی وجہ سے علماء اور اطباء کا مستقل فیصلہ ہے کہ میں بات چیت بالکل نہ کروں، (امام ربانی حضرت مجدد الف ثانیؒ نے بھی اپنے بعض مکاتیب میں بالکل یہی چیز بیان فرمائی ہے اور علماء دنیا ہی کو اس کی ضلالت کا سبب بتایا ہے۔) حتیٰ کہ سلام و مصافحہ بھی نہ کروں۔ میں اس متفقہ فیصلے کی خلاف ورزی صرف اس دینی فریضے (اصلاح و تبلیغ) کے احیاء کے لئے کرتا ہوں، جس کے متعلق مجھے معلوم ہے کہ اگر میں اس کو نہ کروں تو پھر یہ فریضہ اس وقت زندہ نہ ہو سکے گا۔ سورۂ توبہ کی اس آیت سے میں نے یہ سمجھا ہے:

مَا كَانَ لِأَهْلِ الْمَدِينَةِ وَمَنْ حَوْلَهُمْ مِنَ الْأَعْرَابِ أَنْ يَتَخَلَّفُوا عَنْ رَسُولِ اللَّهِ وَلَا يَرْغَبُوا بِأَنْفُسِهِمْ عَنْ نَفْسِهِ

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر کسی وقت دین کا کام کچھ لوگوں پر موقوف ہو تو پھر ان کو اپنی جان کی پرواہ کرنا جائز نہیں۔

(۱۴۶)

فرمایا: عام طور سے کام کرنے والے لوگ بڑے آدمیوں اور نمایاں ہستیوں کے پیچھے لگتے ہیں، اور اللہ کے غریب اور خستہ حال بندے اگر خود بھی آجائیں تو ان کی طرف زیادہ متوجہ نہیں ہوتے۔ یہ مادیت ہے خوب سمجھ لو، جو خود بخود تمہارے پاس آگیا وہ اللہ کا عطیہ اور اس کا بھیجا ہوا ہے، اور جس کے پیچھے لگ کے تم اسے لائے وہ تمہاری کمائی ہے جو اللہ کی خالص عطاء ہو اس کی قدر اپنی کمائی سے زیادہ ہونی چاہیے۔ یہ شکستہ حال غریب میواتی جو یہاں پڑے رہتے ہیں ان کی قدر کرو۔ ذرا سوچو تو رسول اللہ ﷺ نے دعاء کی تھی:

اَللّٰهُمَّ اَحْيِنِيْ مِسْكِيْنًا وَاَمِتْنِيْ مِسْكِيْنًا وَاحْشُرْنِيْ فِيْ زُمْرَةِ الْمَسَاكِيْنِ۔

ترجمہ: ”اے اللہ مجھے مسکینی کی حالت میں زندہ رکھ اور مسکینی کی حالت میں مجھے موت دے اور بروز قیامت مسکینوں کی جماعت میں مجھے اٹھا۔

(۱۴۷)

فرمایا: حضرت گنگوہیؒ اس دور کے قطب ارشاد اور مجدد تھے، لیکن مجدد کے لئے ضروری

Scanned by CamScanner

نہیں ہے کہ سارا تجدیدی کام انہی کے ہاتھ پر ظاہر ہو، بلکہ اس کے آدمیوں کے ذریعے جو کام ہو وہ سب ہی بالواسطہ اسی کا ہے جس طرح خلفائے راشدین بالخصوص حضرات شیخین کا کام فی الحقیقت رسول ﷺ ہی کا کام ہے۔

(۱۴۸)

فرمایا: دین کی نعمت جس وسائط سے ہم تک پہنچی ان کا شکر و اعتراف اور ان کی محبت نہ کرنا محرومی ہے۔

مَنْ لَّمْ يَشْكُرِ النَّاسَ لَمْ يَشْكُرِ اللّٰهَ۔

اور اسی طرح ان کو اصل کی جگہ سمجھ لینا بھی شرک اور مردودیت کا سبب ہے۔ وہ تفریط ہے اور یہ افراط ہے، اور صراطِ مستقیم ان دونوں کے درمیان ہے۔

(۱۴۹)

فرمایا: اللہ تعالیٰ نے اپنی صفات و عادات جو قرآنِ پاک میں بیان کی ہیں ان پر اسی طرح ایمان رکھنا چاہیے، کسی کا بیان بھی اللہ کے اپنے بیان کو نہیں پہنچ سکتا، خود رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

اَللّٰهُمَّ لَا نُحْصِيْ ثَنَاءً عَلَيْكَ اَنْتَ كَمَا اَثْنَيْتَ عَلٰى نَفْسِكَ۔

(۱۵۰)

حضرت گنگوہی نور اللہ مرقدہ کے نواسے حضرت حافظ محمد یعقوب صاحب گنگوہی زیارت کے لئے تشریف لائے، ان کے ساتھ ان ہی کے گھرانے کی کوئی خاتون بھی تھیں (غالباً ان کی صاحبزادی ہی تھیں) وہ بھی حضرت مولانا کی عیادت کے لئے تشریف لائی تھیں۔ حضرت نے ان کو پس پردہ حجرہ ہی میں بلوالیا۔ ان کو خطاب کرتے ہوئے جو کچھ اس وقت حضرت نے فرمایا تھا اس کے چند فقرے قلمبند کر لئے گئے تھے جو درج ذیل ہیں:

فرمایا: ''مَنْ لَّمْ يَشْكُرِ النَّاسَ لَمْ يَشْكُرِ اللّٰهَ'' مجھے دین کی نعمت آپ کے گھرانے سے ملی ہے، میں آپ کے گھر کا غلام ہوں، غلام کے پاس اگر کوئی اچھی چیز آجائے تو اسے چاہیے تحفہ میں اپنے آقا کے سامنے پیش کر دے۔ مجھ غلام کے پاس آپ ہی کے گھر سے حاصل کیا ہوا

Scanned by CamScanner

وراثت "نبوت" کا تحفہ ہے، اس کے سواء اور اس سے بہتر میرے پاس کوئی سوغات نہیں ہے جسے میں پیش کر سکوں۔

دین کیا ہے؟ ہر موقع پر اللہ کے اوامر کو تلاش کرتے ہوئے اور ان کا دھیان کرتے ہوئے، اور اپنے نفس کے تقاضے کی آمیزش سے بچتے ہوئے ان کی تعمیل میں لگے رہنا اور اللہ کے حکموں کی تلاش کے بغیر کاموں میں لگنا ہی دنیا ہے۔

اس طریقے سے چند روز میں وہ بات حاصل ہو سکتی ہے جو دوسرے طریقوں سے ۲۵ سال میں بھی حاصل نہیں ہوتی۔

میں مستورات سے کہتا ہوں کہ دینی کام میں تم اپنے گھر والوں کی مددگار بن جاؤ۔ انہیں اطمینان کے ساتھ دین کے کاموں میں لگنے کا موقع دے دو، اور گھریلو کاموں کا ان کا بوجھ ہلکا کر دو، تاکہ وہ بے فکر ہو کر دین کا کام کریں۔ اگر مستورات ایسا نہ کریں گی تو "حبالۃ الشیطان" (یعنی شیطان کے جال پھندے جن میں پھانس کے وہ آدمیوں کو دین کی راہ سے روکتا ہے۔ یہ مضمون ایک حدیث کا ہے۔) ہو جائیں گی۔

دین کی حقیقت ہے جذبات کو اللہ کے اوامر کا پابند کرنا، صرف دینی مسائل کے جاننے کا نام دین نہیں ہے۔ علماء یہود دین کی باتیں اور اپنی شریعت کے مسائل بہت جانتے تھے لیکن اپنے جذبات کو انہوں نے اوامر الٰہیہ کا پابند نہیں کیا تھا، اس لئے مغضوب و مردود ہو گئے۔

اسی گفتگو کے اثناء میں کسی خاص معاملہ کے متعلق حضرت سے دعاء کی درخواست کی گئی تو فرمایا:

جو کوئی اللہ کا تقویٰ اختیار کرے، یعنی جذبات کو اوامر الٰہیہ کے تابع کر دے تو پھر اللہ تعالیٰ اس کی تمام مشکلیں پردہ غیب سے حل کرتے ہیں اور ایسے طریقوں سے ان کی مدد کرتے ہیں کہ خود اسے وہم گمان بھی نہیں ہوتا۔

مَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا ۙ وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ ؕ

اللہ کی خاص مدد حاصل کرنے کی یقینی اور شرطیہ تدبیر یہ ہے کہ اس کے دین کی مدد کی جائے۔

اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ يَنْصُرْكُمْ۔

Scanned by CamScanner

اگر تم اللہ کے دین کی مدد کرو تو ہلاک کرنے والی چیزیں تمہارے لئے زندگی اور راحت کا سامان بن جائیں۔ حضرت ابراہیمؑ نے جن جان سے اللہ کے دین کی مدد کی تو اللہ نے آگ کو ان کے حق گلزار بنا دیا۔ ایسے ہی حضرت موسیٰؑ اور ان کی قوم کو اس دریا نے جس کی خاصیت ڈبونا ہے سلامتی کے ساتھ ساحل تک پہنچا دیا۔

(۱۵۱)

آج بتاریخ ۲ جمادی الاولیٰ ۱۳۶۳ھ بروز چہار شنبہ رات میں دار العلوم دیوبند کے طلباء کی ایک جماعت آئی ہے۔ رات بوقت عشاء حضرت کو اسہال کا ایک دورہ ہو گیا تھا جس سے ضعف انتہاء کو پہنچا ہوا ہے، بات کرنے کی طاقت نہیں ہے، بعد نماز فجر خاکسار مرتب کو بلایا اور ارشاد فرمایا:

''کان بالکل میرے لبوں سے لگا دو اور سنو! یہ طلبہ اللہ کی امانت اور اس کا عطیہ ہیں۔ اس کی قدر کریں اور اس نعمت کا شکر یہ ہے کہ ان کا وقت ان کی حیثیت کے مناسب پورے اہتمام سے کام میں لگایا جائے اور ذرا سا وقت بھی ضائع نہ کیا جائے، یہ بہت وقت کم لے کے آئے ہیں پہلے میری یہ دو تین باتیں انہیں پہنچا دو۔

۱: اپنے تمام اساتذہ کی توقیر اور ان سب کا ادب و احترام آپ کا خصوصی اور امتیازی فریضہ ہے، آپ کو ان کی ایسی تعظیم کرنی چاہیے، جیسی کہ ائمہ دین کی کی جاتی ہے، وہ آپ لوگوں کے لئے علم نبویؐ کے حصول کا ذریعہ ہیں اور جس شخص نے کسی کو دین کی ایک بات بھی بتلائی وہ اس کا مولیٰ ہو جاتا ہے۔ پھر علم دین کے مستقل اساتذہ کا جو حق ہے وہ سمجھا جا سکتا ہے بلکہ اگر ان کے درمیان کچھ نزاعات بھی ہوں تب بھی ادب و تعظیم کا تعلق سب کے ساتھ یکساں رہنا چاہیے، خواہ محبت و عقیدت کسی کے ساتھ کم اور کسی کے ساتھ زیادہ ہو لیکن عظمت میں فرق نہ آنا چاہیے، اور دل میں ان کی طرف سے بدی نہ آنا چاہیے۔ قرآن مجید نے تو ہر مؤمن کا یہ حق بتایا ہے کہ ان کی طرف سے اپنے دلوں کے صاف رہنے کی اللہ تعالیٰ سے دعا کی جایا کرے، فرمایا:

وَلَا تَجْعَلْ فِي قُلُوبِنَا غِلًّا لِّلَّذِينَ آمَنُوا۔

Scanned by CamScanner

ترجمہ: ''اور نہ رکھ ہمارے دلوں میں ایمان والوں کا کینہ۔

اور رسول اللہ ﷺ فرمایا کرتے تھے:

لَا يُبَلِّغْنِي أَحَدٌ عَنْ أَحَدٍ شَيْئًا فَإِنِّي أُحِبُّ أَنْ أَخْرُجَ إِلَيْكُمْ وَأَنَا سَلِيمُ الصَّدْرِ۔

ترجمہ: ''تم میں سے کوئی مجھے ایک دوسرے کی بات نہ پہنچایا کرے میں چاہتا ہوں کہ میں جب تمہارے پاس آؤں تو میرا سینہ سب کی طرف سے صاف ہو۔''

اور بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے اپنی وفات کی دعاء اس وقت مانگی جب کہ امت پھیلنے لگی، اور آپ ﷺ کو خطرہ ہوا کہ کہیں ناواقفی کی وجہ سے کسی کے دل میں میری طرف سے کوئی میل نہ آجائے اور مبادا پھر وہ برباد ہو جائے۔ اسی سلسلے میں فرمایا:

''ان دو چیزوں کا اجر یعنی (بڑوں، چھوٹوں کے حقوق کی رعایت کا اجر جس کا وسیع نام اصلاح ذات البین ہے) ارکان سے کم نہیں ہے بلکہ زیادہ ہی ہے۔ ارکان کی رُکنیت کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سے جو زندگی چاہتے ہیں وہ ان ارکان سے پیدا ہو سکتی ہے۔ نیز اس اصلاحِ ذات البین کا تعلق حقوق العباد سے ہے اور اللہ تعالیٰ تو اپنے بندوں کے حق میں شفیق و کریم اور رؤف و رحیم ہے، اس کے کرم سے تو معافی ہی کی زیادہ اُمید ہے، لیکن بندے تو ایسے ہی ہیں جیسے کہ تم خود ہو، لہٰذا ان کے حقوق کی ادائیگی کا معاملہ نہایت اہم ہے، اور پھر اس شعبے میں علم دین کے اساتذہ کے حقوق کا معاملہ اور بھی زیادہ نازک ہے، تو ان طلبہ کو میرا ایک پیغام تو یہ پہنچا دو کہ اپنی زندگی کے اس پہلو کی اصلاح کی یہ خاص طور سے فکر کریں۔

اور دوسری بات یہ ہے کہ وہ ہمیشہ اس فکر میں لگے رہیں اور اس فکر کے بوجھ کے ساتھ زندگی گزاریں کہ جو کچھ پڑھا ہے اور جو پڑھیں گے اس کے مطابق زندگی گزرے علم دین کا یہ پہلا لازم حق ہے۔ دین کوئی فن اور فلسفہ نہیں ہے بلکہ زندگی گزارنے کا وہ طریقہ ہے جو انبیاءؑ لے کر آئے ہیں۔ اللہ کے رسولؐ ''علم لا ینفع'' سے (یعنی اس علم سے جو عمل پر نہ ڈالے) پناہ مانگی ہے اور اس کے علاوہ بھی عالم بے عمل کے لئے جو سخت وعیدیں قرآن و حدیث میں آئی ہیں وہ آپ کے علم میں ہیں۔ یہ بھی سمجھ لینا چاہیے کہ عالم کی بے عملی نماز نہ پڑھنا اور روزہ نہ رکھنا، شراب پینا یا زنا کاری کرنا نہیں ہے۔ یہ تو

Scanned by CamScanner

عامیوں کے عام گناہ ہیں، عالم کا گناہ یہ ہے کہ وہ علم پر عمل نہ کرے اور اس کا حق ادا نہ کرے۔

''قریباں را بیش بود حیرانی''

قرآن مجید میں علماء اور اہل کتاب کے متعلق فرمایا گیا ہے:

فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيثَاقَهُمْ لَعَنَّاهُمْ وَجَعَلْنَا قُلُوبَهُمْ قَاسِيَةً۔

ان کی عہد شکنی کی وجہ سے ہم نے ان پر لعنت کی اور ان کے دلوں کو سخت کر دیا۔

۳: تیسری بات ان طلباء سے یہ کہی جائے کہ ان کا وقت بڑا قیمتی ہے اور وہ بہت تھوڑا وقت لے کر آئے ہیں، لہٰذا اس کا ایک لمحہ بھی یہاں ضائع نہ کریں، بلکہ یہاں کے اصولوں کے مطابق تعلیم و مذاکرہ کے کاموں میں لگے رہیں، پرانوں سے باتیں کریں اور ان کے ساتھ رہیں اور ان ہی کی معیت میں شہر (دہلی) کے عربی مدرسوں میں جا کر کام کریں۔

(۱۵۲)

دیوبند سے طلبہ کی جو جماعت رات آئی ہے پہلے تو اس کو مندرجہ بالا پیغام دیا۔ اس کے بعد جب چائے پینے کے لئے مہمان حضرات حسب دستور حضرت کے قریب آ کر بیٹھے تو حضرت نے ان طلبہ سے خود بہ نفس نفیس گفتگو فرمانی چاہی اور نہایت نحیف آواز میں فرمایا:

''آپ لوگ یہاں کیوں آئے ہیں؟ دیوبند جیسے بڑے مدرسے کے شفیق اساتذہ، اچھی شاندار عمارتوں والے اقامت خانے اور اپنا مانوس ماحول چھوڑ کے آپ یہاں کس واسطے آئے ہیں؟ پھر خود ہی اپنے اس سوال کا یہ جواب دیا:

اس لئے کہ اللہ کی باتوں کو فروغ دینے کی کوششوں میں جان دینے کے شوق کو زندہ کریں اور اس کا طریقہ سیکھیں اور اس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو وعدے ہیں یقین کے ساتھ ان سے اُمیدیں لگاتے ہوئے اور اس کے غیر سے اُمیدیں نہ لگاتے ہوئے بلکہ غیروں سے اُمیدیں منقطع کرتے ہوئے کام کرنا سیکھیں۔''

جَاهِدُوا فِي اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ ۭ هُوَ اجْتَبٰىكُمْ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ ۭ

پھر اسی سلسلے میں فرمایا:

''جتنی ضرورت اس کی ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی سے اُمیدیں رکھی جائیں، اتنی ہی ضرورت

Scanned by CamScanner

اس کوشش کی ہے کہ غیر اللہ سے اُمیدیں نہ رکھی جائیں بلکہ ماسوائے اللہ سے بالکل صرف نظر کر کے کام کرنے کی مشق کی جائے۔''

اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلَی اللّٰہِ

حدیث میں ہے کہ جو لوگ غیروں سے کچھ اُمیدیں رکھ کر اچھے کام کریں گے، قیامت میں ان سے کہہ دیا جائے گا کہ جاؤ انہی سے جا کر اپنا اجر لو۔

(۱۵۳)

انہی طلبہ سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

اقامت صلوٰۃ ساری زندگی کو درست کرنے والی چیز ہے لیکن اقامت صلوٰۃ کی تکمیل ہو گی ان اوصاف پیدا کرنے سے جن کا ذکر نماز کے سلسلے میں قرآن مجید میں متفرق طور پر کیا گیا ہے مثلاً فرمایا گیا:

قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ۙ الَّذِیْنَ ھُمْ فِیْ صَلَاتِھِمْ خٰشِعُوْنَ ۙ (المؤمنون)

اور سورۂ بقرہ کے پہلے رکوع میں ''اَلَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ وَیُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ'' الخ کے بعد فرمایا گیا ہے: ''اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَ۔''

ان دونوں آیتوں کو ملانے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ خشوع فی الصلوٰۃ بھی اقامت صلوٰۃ میں داخل ہے، اور بغیر خشوع کے نماز پڑھنے والے ''مقیمین صلوٰۃ'' نہیں ہیں اور نمازوں میں خشوع پیدا کرنے کی ترکیب و تدبیر کی طرف دوسری آیت میں اشارہ کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سامنے حضوری کے یقین کو زیادہ سے زیادہ بڑھایا جائے۔

وَاِنَّھَا لَکَبِیْرَۃٌ اِلَّا عَلَی الْخٰشِعِیْنَ ۙ الَّذِیْنَ یَظُنُّوْنَ اَنَّھُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّھِمْ وَاَنَّھُمْ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ ۝

فرمایا: ''مُّلٰقُوْا رَبِّھِمْ'' کو آخرت سے مخصوص کرنے کی کوئی وجہ نہیں، اللہ کے بندوں کی نماز کی جیسی حالت ہے لیکن جو حضوری نصیب ہوتی ہے وہ بھی اس کی مصداق ہے۔

(۱۵۴)

اسی سلسلے میں فرمایا: ''قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ'' اور ''اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَ'' میں جس فلاح اور کامیابی کا وعدہ ہے اس کو صرف فلاحِ اُخروی میں منحصر کرنے کی کوئی وجہ نہیں بلکہ دنیا میں

Scanned by CamScanner

کامیابی و کامرانی بھی اس میں داخل ہے، اور مطلب یہ ہے کہ جن لوگوں میں یہ ایمانی اوصاف ہوں، ہماری غیبی مدد دنیا میں بھی ان کا راستہ صاف کرنے اور فلاح و کامرانی تک ان کو پہنچانے کی ذمہ دار ہے۔

(۱۵۵)

اسی سلسلے میں فرمایا: غیبی مدد اور غیبی طاقت جس چیز کا نام ہے وہ پہلے سے حوالے نہیں کی جاتی بلکہ عین وقت پر ساتھ کر دی جایا کرتی ہے، گویا اللہ کے خزانے میں جمع ہے اور ایمان و توکل کی شرط یہ ہے کہ اس پر اعتماد اپنے ہاتھ کی مکسوبہ (حاصل کی ہوئی) طاقت سے زیادہ ہونا چاہیے۔

(۱۵۶)

اسی سلسلے میں فرمایا: ''وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ'' کو صرف مال و دولت سے مخصوص کرنے کی کوئی وجہ نہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ نے ظاہر و باطن کی قوتیں ہم کو دی ہیں مثلاً فکر و رائے اور ہاتھ پاؤں، یہ سب بھی اللہ تعالیٰ کا عطیہ ہیں اور اللہ کے کاموں اور اس کے دین کے لئے ان چیزوں کا استعمال کرنا بھی اس میں شامل ہے۔

(۱۵۷)

ان طلبہ ہی سے فرمایا: تم اپنی قدر و قیمت تو سمجھو، دنیا بھر کے خزانے بھی تمہاری قیمت نہیں۔ اللہ تعالیٰ کے سواء کوئی بھی تمہاری قیمت نہیں لگا سکتا، تم انبیاءؑ کے نائبین ہو جو ساری دنیا سے کہہ دیتے ہیں: ''اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ۔'' تمہارا کام یہ ہے کہ سب سے اُمیدوں کو منقطع کرتے ہوئے اور صرف اللہ کے اجر پر یقین و اعتماد رکھتے ہوئے تواضع اور تذلّل سے مؤمنین کی خدمت کرو۔ اسی سے عبدیت کی تکمیل و تزئین ہوگی۔

(۱۵۸)

ایک مشہور دینی جماعت کے ممتاز کارکن اور رہنما عیادت اور زیارت کے لئے تشریف لائے، حضرت نے ان سے گفتگو کرتے ہوئے فرمایا:

''ہمارے ہاں حساب کتاب نہیں رہتا، دینی کام کرنے والوں کو بھی حساب کتاب کی

Scanned by CamScanner

ضرورت اس لئے ہوگئی ہے کہ وہ اعتماد اور اطمینان باقی نہیں رہا جس کے بعد کسی حساب کتاب کی ضرورت نہیں رہتی، اگر اپنے طرزِ عمل سے وہی اعتماد پھر پیدا کر لیا جائے تو حساب کتاب میں جو وقت صرف ہوتا ہے وہ خالص دینی کاموں ہی کے لئے بچ رہے۔''

(۱۵۹)

''ہندوستان کی ایک مشہور سیاسی مذہبی مجلس کے ایک بڑے رہنما (جو ہندوستان کے بہت بڑے سحر بیان خطیب بھی ہیں) عیادت کو تشریف لائے۔ دو دن پہلے حضرت پر نہایت سخت دورہ پڑ چکا تھا جس کی وجہ سے اس قدر ضعف ہو گیا تھا کہ اکثر اوقات لبوں پر کان رکھ کے بات سنی جا سکتی تھی۔ جب ان صاحب کی آمد کی اطلاع دی گئی تو اس ناچیز (مرتب ملفوظات) کو طلب فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ مجھے ان سے بات کرنا ضروری ہے، لیکن صورت یہ ہوگی کہ اپنا کان میرے منہ کے قریب کر دینا اور جو کچھ میں کہوں وہ ان سے تم کہتے جانا۔ چنانچہ وہ صاحب جب اندر تشریف لائے تو بات شروع تو میرے ہی ذریعہ سے فرمائی لیکن دو تین منٹ ہی بعد اللہ نے اتنی قوت عطاء فرمائی کہ قریباً آدھ گھنٹے تک مسلسل تقریر فرماتے رہے۔ اس مجلس کے جو ارشادات قلمبند کئے جا سکے تھے وہ ذیل میں درج کئے جاتے ہیں:

فرمایا: مسلم کا مسلم سے ملنا بس اسلام کے فروغ کے لئے ہے ورنہ مسلم اور غیر مسلم کی ملاقاتوں میں کیا فرق ہے؟ آپ یہاں کچھ دن رہ کر ہمارے کام کا مطالعہ کریں، اس کے بغیر ہماری بات کا سمجھ میں آنا اور ہمارے مقصد کو پانا مشکل ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ تعلقاتِ محمدیہؐ مردہ ہو چکے ہیں، ان کو زندہ کرنا ہے اور بس اسی کی کوششوں میں مر رہنا ہے۔

میں نے شروع میں مدرسہ پڑھایا (یعنی مدرسہ میں درس دیا) تو طلبہ کا ہجوم ہوا اور اچھے اچھے صاحب استعداد طلبہ کثرت سے آنے لگے۔ میں نے سوچا کہ ان کے ساتھ میری محنت کا نتیجہ اس کے سواء اور کیا ہوگا کہ جو لوگ عالم بننے ہی کے لئے مدرسوں میں آتے ہیں، مجھ سے پڑھنے کے بعد بھی وہ عالم مولوی ہی بن جائیں گے اور پھر ان کے مشاغل بھی وہی ہوں گے جو آج کل عام طور سے اختیار کئے جاتے ہیں۔ کوئی طب پڑھ کر مطب میں کام کرے گا، یونیورسٹی کا امتحان دے کر اسکول کالج میں نوکری کرے گا، یہ سوچ کر مدرسے میں بیٹھ کر پڑھاتا رہے گا، اس

Scanned by CamScanner

سے زیادہ اور کچھ نہ ہوگا۔ یہ سوچ کر مدرسہ میں پڑھانے سے میرا دل ہٹ گیا۔ اس کے بعد ایک وقت آیا جب میرے حضرت نے مجھ کو اجازت دے دی تھی تو میں نے طالبین کو ذکر کی تلقین شروع کی، اور ادھر میری توجہ کا ورود ہوا اور اتنی تیزی سے حالات میں ترقی ہوئی کہ خود مجھے حیرت ہوئی اور میں سوچنے لگا کہ یہ کیا ہو رہا ہے اور اس کام میں لگے رہنے کا نتیجہ کیا نکلے گا؟ زیادہ سے زیادہ یہی کہ کچھ اصحابِ احوال اور ذاکر مشاغل لوگ پیدا ہو جائیں، پھر لوگوں میں ان کی شہرت ہو جائے تو کوئی مقدمہ جیتنے کی دعاء کے لئے آئے، کوئی اولاد کے لئے تعویذ کی درخواست کرے، کوئی تجارت اور کاروبار میں ترقی کی دعاء کرائے، اور زیادہ سے زیادہ یہ کہ ان کے ذریعے بھی آگے کو چند طالبین میں ذکر و تلقین کا سلسلہ چلے، یہ سوچ کر ادھر سے بھی میری توجہ ہٹ گئی اور میں نے یہ طے کیا کہ اللہ تعالیٰ نے ظاہر و باطن کی جو قوتیں عطاء فرمائی ہیں ان کا صحیح مصرف یہ ہے کہ ان کو اسی کام میں لگایا جائے جس میں حضور ﷺ نے اپنی قوتیں صرف فرمائیں اور وہ کام ہے اللہ کے بندوں کو اور خاص کر غافلوں اور بے طلبوں کو اللہ کی طرف لانا اور اللہ کی باتوں کو فروغ دینے کے لئے جان کو بے قیمت کرنے کا رواج دینا۔ بس یہی ہماری تحریک ہے اور یہی ہم سب سے کہتے ہیں۔ یہ کام اگر ہونے لگے تو اب سے ہزاروں گنے زیادہ مسلمان مدرسے اور خانقاہیں قائم ہو جائیں، بلکہ ہر مسلمان مدرسہ اور خانقاہ ہو جائے اور حضور ﷺ کی لائی ہوئی نعمت اس عمومی انداز سے بٹنے لگے جو اس کے شایانِ شان ہے۔

حضرات! اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایک قوت دی ہے اس سے میرا مطلب بیان و تقریر کی قوت نہیں ہے بلکہ میرا مقصد یہ ہے کہ آپ ایک جماعت کے بڑے اور اس کے مطاع ہیں، ہزاروں آدمی آپ کی بات مانتے ہیں، آپ ان کو متوجہ کیجئے کہ ہمارے آدمیوں کے ساتھ کچھ دنوں رہ کر ہمارے کام کو سمجھیں اور سیکھیں اور پھر اپنے حلقوں میں یہ کام کریں، اس سے ان شاء اللہ وہ بہت کام کے بن جائیں گے۔

حضرات! ایمان کے دو بازو ہیں، ایک اللہ و رسولؐ کے دشمنوں پر غلظت و شدت اور دوسرے اللہ و رسولؐ کے ماننے والوں اور محبوں پر شفقت و رحمت، اور ان کے مقابلے میں فروتنی اور ذلت۔

''اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ''

Scanned by CamScanner

''اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ۔'' (الفتح)

ایمان والوں کی ترقی و پرواز کے لئے یہ دونوں بازو ضروری ہیں، ایک بازو سے کوئی جانور بھی نہیں اڑ سکتا۔

ان صاحب نے جو حضرت سے عقیدت اور نیاز مندی کا بھی تعلق رکھتے ہیں، حضرت کے ارشادات سن کر عرض کیا کہ جوانی اور طاقت کا سارا زمانہ تو دوسرے کاموں میں صرف ہو گیا اس وقت کسی بزرگ نے نہ کھینچا اب میں بوڑھا ہو گیا اور کسی نئے کام کی ہمت و طاقت نہیں رہی تو حضرت مجھ سے اپنا کام لینا چاہتے ہیں، اب میں کسی کام کا نہیں رہا ہوں۔

حضرت نے ارشاد فرمایا: اگر فی الحقیقت آپ پہلے یہ سمجھتے تھے کہ آپ میں کچھ طاقت و قوت ہے اور آپ کچھ کر سکتے ہیں تو اس وقت آپ اللہ کے کام کے قابل نہ تھے، اور اگر اب آپ کو یہ یقین ہو گیا ہے کہ آپ میں کوئی قوت و طاقت نہیں ہے، اور آپ کچھ بھی نہیں کر سکتے ہیں تو اب ہی آپ اللہ کے کام کے قابل ہوئے ہیں۔ اللہ کا کام کرنے اور اس کی مدد کے مستحق ہونے کے شرائط میں یہ ہے کہ آدمی اپنے آپ کو بالکل عاجز و لاچار سمجھے اور صرف اللہ ہی کو کارساز یقین کرے، اس کے بغیر مدد نہیں ہوتی۔ ''حدیث قدسی میں ہے کہ میں انہی کے ساتھ ہوں جن کے دل ٹوٹے ہوئے ہیں۔''

فرمایا: میں سیاسی کام کرنے والوں کا بھی ممنون ہوں، انہوں نے گورنمنٹ کو اپنی طرف متوجہ کئے رکھا جس کی وجہ سے میں اطمینان سے اتنے دنوں اپنا کام کر سکا۔

آخر میں رخصت ہوتے وقت ان صاحب نے دعاء کی درخواست کی تو اس پر فرمایا:

''حضرت! ہر مسلمان کے لئے اس کی غیبت میں دعاء کرنا درحقیقت اپنے لئے دعاء کرنا ہے۔ حدیث میں ہے کہ جب کوئی مسلمان اپنے کسی مسلمان بھائی کے لئے خیر و فلاح کی کوئی دعاء کرتا ہے تو اللہ کے فرشتے کہتے ہیں ''وَلَكَ مِثْلُ ذَالِكَ'' یعنی اے اللہ کے بندے یہی چیز اللہ تجھے بھی دے، پس ہر مسلمان کے لئے کسی بہتری کی دعاء درحقیقت فرشتوں سے اپنے لئے دعا کرانے کی ایک یقینی تدبیر ہے۔''

☆☆☆

Scanned by CamScanner

قسط نمبر ۱۰

(۱۶۰)

فرمایا: اس دینی دعوت کے سلسلے میں ہر طبقے کے مسلمانوں سے ملنا اور ان سب کو اس طرف لانے کی سعی کرنا ضروری ہے۔ میں اپنا واقعہ سناتا ہوں (اس کے بعد مولانا نے ایک مشہور عالم دین کے متعلق جو اس عصر کے بڑے عالم اور شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن صاحبؒ کے ممتاز شاگردوں میں سے ہیں بتایا) کہ انہوں نے ایک دفعہ برسرِ عام حضرت مولانا نور اللہ مرقدہ کے متعلق بہت ہی خراب اور بالکل ہی غلط بعض باتیں کہیں جس سے میرا بہت ہی دل دکھا اور میری حالت یہ ہوگئی کہ میں ان کی صورت نہیں دیکھنا چاہتا تھا۔ کچھ دنوں کے بعد جب میں اس کام میں لگا ہوں تو ایک دن میرے دل میں آیا کہ ان صاحب کے متعلق میرا یہ طرزِ عمل ٹھیک نہیں ہے، آخر وہ مؤمن و مسلم ہیں، حضرت شیخ الہندؒ کے فیوض بھی ان کے اندر ضرور ہوں گے، قرآن مجید کے علمی انوار بھی ان کے پاس ہیں، جس شخص میں خیر کے اتنے پہلو ہوں اس سے اتنی دوری اختیار کر لینا خود اپنا نقصان کرنا ہے، لہٰذا خود مجھے جا کر ان کی زیارت کرنی چاہیے اور ان کے ان دینی کمالات کی وجہ سے مجھے ان کا اکرام کرنا چاہیے اور ان کی جس بات سے میرا دل دکھا اس میں یہ بھی احتمال ہے کہ یہ باتیں ان سے کسی دوسرے شخص نے اسی طرح کہی ہوں اور ان کی غلطی صرف اتنی ہو کہ انہوں نے ان کو سچ سمجھ کر اس عام موقع پر نقل کر دیا ہو یا اسی طرح کی کوئی اور اجتہادی غلطی اس معاملہ میں ان سے ہوئی ہو۔ بہرحال یہ غلطی ایسی نہیں ہے جس کی وجہ سے ان کو اس طرح چھوڑ دینا میرے لئے درست ہو۔

فرمایا: یہ باتیں میں نے اپنے نفس کو تنہائیوں میں بیٹھ بیٹھ کے سمجھائیں اور میری ان باتوں کے جواب میں میرے نفس نے جو جو حجتیں پیش کیں، میں نے اس سب کو دلیلوں سے رد کیا اور ''زیارت مُسلم'' اور ''اکرام مُسلم'' پر جن جن اجروں کی بشارتیں نصوص میں وارد ہوئی ہیں میں ان کو یاد کیا اور اپنے نفس کو یاد دلایا، اور بالآخر خود ان کے پاس جانے کا ارادہ کیا۔

Scanned by CamScanner

پھر مجھے اس میں تردّد ہوا کہ مجھے اس وقت ان کے پاس صرف شرعی زیارت ہی کی نیت سے جانا چاہیے یا دینی دعوت پیش کرنے کا قصد کرنا چاہیے (یعنی ان دونوں صورتوں میں سے کون سی اولیٰ اور احب الی اللہ ہے)۔ بالآخر میں نے یہ طے کیا کہ ''زیارت'' اور ''دعوت'' کی مستقل نیت کر کے مجھے ان کی خدمت میں حاضر ہونا چاہیے، اس میں ان شاء اللہ دونوں چیزوں کا پورا پورا ثواب ملے گا چنانچہ میں نے ایسا ہی کیا، اور یہ ملاقات پھر بہت سی برکتوں اور بہت سے فائدوں کا ذریعہ بنی۔

(۱۶۱)

اسی سلسلۂ کلام میں فرمایا: ہمارے بعض خاص حضرات میرے اس رویے سے ناراض ہیں کہ میں اس دینی کام کے سلسلے میں ہر طرح اور ہر وضع کے لوگوں اور مسلمانوں کے ہر گروہ کے آدمیوں سے ملتا ہوں اور ملنا چاہتا ہوں اور اپنے لوگوں سے بھی ان کے ساتھ ملنے جلنے کو کہتا ہوں لیکن میں اپنے حضرات کی اس ناراضی کو سہنا اور ان کو معذور قرار دیتے ہوئے ان کو بھی اسی طرف لانے کی پوری سعی کرتے رہنا شکر واجب کا ایک جز سمجھتا ہوں۔

چو حق بر تو باشد تو بر خلق باش

ان حضرات کا خیال ہے کہ یہ طرزِ عمل ہمارے حضرت نوّر اللہ مرقدہ کے طریقے اور مذاق کے خلاف ہے، لیکن میرا کہنا یہ ہے کہ جس چیز کا دین کے لئے نافع اور نہایت مفید ہونا دلائل اور تجربے سے معلوم ہو گیا اس کو صرف لئے اختیار نہ کرنا کہ ہمارے شیخ نے یہ نہیں کیا، بڑی غلطی ہے، شیخ شیخ ہی تو ہے، خدا تو نہیں ہے۔

(۱۶۲)

فرمایا: اس دینی کام (تبلیغ دین اور اصلاحِ امت کی عوامی تحریک) کی طرف مجھے متوجہ کرنا اللہ تعالیٰ کی ایک خاص تائید ہے، اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے مجھے کچھ ایسی خصوصیات حاصل تھیں کہ جن بعض اکابر کو میرے اس کام کے متعلق پوری معلومات نہ ہونے کی وجہ سے کبھی کچھ شکوک بھی ہوئے تو انہوں نے بھی میری وجہ سے سکوت اختیار کیا اور اپنے اختلافِ رائے کو

Scanned by CamScanner

ظاہر نہیں فرمایا۔ میری وہ خصوصیات یہ ہیں:

ایک تو یہ کہ میری نیاز مندی کا تعلق اپنے زمانے کے سب ہی بزرگوں سے رہا اور الحمدللہ سب کی عنایات اور سب کا اعتماد مجھے حاصل رہا۔

دوسرے یہ کہ میرے والد ماجد ایک عالی مرتبہ اور متفق علیہ بزرگ تھے اور باہم بہت سے اختلافات رکھنے والے اہل دین کے مختلف طبقے ان پر متفق تھے۔

تیسرے یہ کہ میرا خاندان ایک خاص اثر اور عزت و وجاہت رکھنے والا خاندان تھا۔

(۱۶۳)

فرمایا: علماء حق کو میرا یہ پیغام ادب و احترام کے ساتھ پہنچاؤ کہ آپ لوگوں کو میری اس تحریک کے متعلق جو حُسن ظن یا کچھ توجہ ہوئی ہے تو وہ ان بے چارے میواتیوں کے بیان کرنے یا ان میں کچھ اصلاحی تغیر کے مشاہدے سے ہوئی ہے، جو پہلے گوبر تک پوجتے تھے اور اس لئے اگلے مشرکوں سے بھی گھٹیا تھے (کیونکہ وہ تو خوبصورت مورتیوں اور چمکدار پتھروں ہی کو پوجا کرتے تھے) تو ایسے گرے ہوئے لوگوں کی خبر رسانی یا مشاہدے سے کام کا صحیح اندازہ کیونکر ہوسکتا ہے، آپ جیسے حضرات اگر براہِ راست مجھ سے مل کر اس کام کو سمجھیں تو اصل قدر و قیمت معلوم ہو۔

(۱۶۴)

فرمایا: ہماری اس تحریک کا ایک خاص مقصد یہ ہے کہ مسلمانوں کے سارے جذبات پر دین کے جذبے کو غالب کر کے اور اس راستے سے مقصد کی وحدت پیدا کر کے اور "اکرامِ مُسلم" کے اصول کو رواج دے کے پوری قوم کو اس حدیث کا مصداق بنایا جائے:

اَلْمُسْلِمُوْنَ کَجَسَدٍ وَاحِدٍ۔

فرمایا: ہمارے اس کام میں اخلاص اور صدق دلی کے ساتھ اجتماعیت اور "شُوْرٰی بَیْنَھُمْ" کی (یعنی مل جل کر اور باہمی مشورہ سے کام کرنے کی) بڑی ضرورت ہے، اور اس کے بغیر بڑا خطرہ ہے۔

Scanned by CamScanner

(۱۶۵)

بعض خدام کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

''حضرت عمر فاروق اعظمؓ، حضرت ابوعبیدہؓ اور حضرت معاذؓ سے فرماتے تھے کہ ''میں تمہاری نگرانی سے مستغنی نہیں ہوں۔'' میں بھی آپ لوگوں سے یہی کہتا ہوں کہ میرے احوال پر نظر رکھئے اور جو بات ٹوکنے کی ہو، اس پر ٹوکئے۔''

(۱۶۶)

فرمایا: حضرت فاروق اعظمؓ کے عاملوں کے پاس سے جب کوئی قاصد آتے تو آپ ان سے عاملوں کی خیریت پوچھتے اور ان کے حالات دریافت کرتے، لیکن اس کا مطلب دینی خیریت اور دینی حال پوچھنا ہوتا تھا نہ کہ آج کل کی مروّجہ مزاج پرسی۔ چنانچہ ایک عامل کے پاس سے آنے والے قاصد سے جب آپ ﷺ نے عامل کی خیریت پوچھی تو اس نے کہا:

''وہاں خیریت کہاں ہے، میں نے تو ان کے دسترخوان پر دو دو سالن جمع دیکھے۔''

گویا رسولِ اکرم ﷺ جس طرزِ زندگی پر صحابہ کرامؓ کو چھوڑ آئے تھے بس اس پر قائم رہنا ہی اس حضرات کے نزدیک خیریت کا معیار تھا۔

(۱۶۷)

فرمایا: اللہ سے اس کا فضل اور رزق وغیرہ مانگنا تو فرض ہے اور اپنی عبادت و خدمت وغیرہ کا دنیا ہی میں معاوضہ چاہنا حرام ہے۔

(۱۶۸)

فرمایا: کسی مسلمان کو اس کی بے راہ روی کی وجہ سے قطعی طور سے کافر کہنا اور ''خلود فی النار'' والی تکفیر کرنا بڑا بھاری کام ہے۔ ہاں ''کُفْرٌ دُوْنَ کُفْرٍ'' کا اصول صحیح ہے، تمام معاصی کفر ہی کے فروغ اور اس کی اولاد ہیں اور اسی طرح تمام معروفات ایمان کی آل اولاد ہیں، پس ہماری یہ تحریک درحقیقت تجدید ایمان اور تکمیل ایمان کی تحریک ہے۔

Scanned by CamScanner

(۱۶۹)

فرمایا: ''اِتَّخَذُوْا دِیْنَهُمْ لَهْوًا وَّلَعِبًا'' دینی کاموں کو بے مقصد یا اطاعت امر الٰہی و رضاء خداوندی اور ثواب اُخروی کے سواء اور مقاصد کے لئے بھی کرنا دین کو لہو لعب بنانا ہے۔

(۱۷۰)

فرمایا: ''ظُنُّوا الْمُؤْمِنِیْنَ خَیْرًا'' اور ''اِنَّ حُسْنَ الظَّنِّ مِنَ الْعِبَادَةِ'' کا حکم اس حالت میں ہے کہ جب کسی سے کوئی معاملہ کرنا نہ ہو تو اس وقت صرف حُسن ظن ہی سے کام لینا چاہیے، اور جب معاملہ کرنا ہو تو اس وقت کے لئے ''اَلْحَزْمُ سُوْءُ الظَّنِّ'' کا حکم ہے، محامل اور مواقع کا فرق نہ سمجھنے سے نصوص میں بڑی غلط فہمیاں ہوتی ہیں۔

(۱۷۱)

فرمایا: ہمارے کام کرنے والوں کو یہ بات اچھی طرح ذہن نشین کر لینی چاہیے کہ تبلیغ کے لئے باہر جانے کے زمانے میں بالخصوص علم اور ذکر کی طرف بہت زیادہ توجہ کریں، علم اور ذکر میں ترقی کے بغیر دینی ترقی ممکن نہیں، نیز علم اور ذکر کی تحصیل و تکمیل اس راہ کے اپنے بڑوں سے وابستگی رکھتے ہوئے اور ان کے زیر ہدایت اور ان کی نگرانی میں ہو۔

انبیاءؑ کا علم و ذکر اللہ کے زیر ہدایت اور اس کے حکم کے ماتحت ہوتا تھا اور حضرت صحابہ کرامؓ کا علم و ذکر رسول اللہ ﷺ کی ہدایت کے ماتحت اور آپ ﷺ کی نگرانی میں ہوتا تھا، پھر ہر زمانے کے لوگوں کے لئے اس قرآن کے اہل علم اور اہل ذکر گویا رسول اللہ ﷺ کے خلفاء ہیں، لہٰذا علم و ذکر میں اپنے بڑوں کی نگرانی سے استغناء نہیں۔

یہ بھی ضروری ہے کہ خاص کر باہر نکلنے کے زمانے میں صرف اپنے خاص مشاغل میں اشتغال رہے اور دوسرے تمام مشاغل سے یکسو رہا جائے اور وہ خاص مشاغل یہ ہیں:

(۱) تبلیغی گشت۔ (۲) علم۔ (۳) ذکر۔ (۴) دین کے لئے گھر چھوڑ کر نکلنے والے اپنے ساتھیوں کی خصوصاً اور عام خلق اللہ کی عموماً خدمت کی مشق۔ (۵) تصحیح نیت اور اخلاص و احتساب کا اہتمام اور اتہام نفس کے ساتھ بار بار اس اخلاص و احتساب کی تجدید۔

Scanned by CamScanner

یعنی اس کام کے لئے نکلتے وقت بھی یہ تصور کرنا اور اثناء سفر میں میں بھی بار بار اس تصور کو تازہ کرتے رہنا کہ ہمارا یہ نکلنا صرف اللہ کے لئے اور ان نعمائے آخرت کی طمع میں ہے جن کا وعدہ دین کی نصرت کرنے اور اس راہ کی تکلیفیں اٹھانے پر فرمایا گیا ہے، یعنی بار بار اس دھیان کو دل میں جمایا جائے کہ اگر میرا یہ نکلنا خالصًا مخلصًا ہو گیا اور اللہ تعالیٰ نے اس کو قبول فرمالیا تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے مجھے وہ نعمتیں ضرور ملیں گی جن کا وعدہ اس کام پر قرآنِ پاک اور احادیث میں فرمایا گیا ہے اور وہ یہ یہ ہوں گی۔

بہر حال ان الٰہی وعدوں پر یقین اور ان کی امید کے دھیان کو بار بار تازہ کیا جائے، اور اپنے سارے عمل کو اسی یقین اور اسی دھیان سے باندھا جائے، بس اسی کا نام "ایمان واحتساب" ہے اور یہی ہمارے اعمال کی روح ہے۔

(۱۷۲)

فرمایا: ہائے، اللہ کے وعدوں پر یقین نہیں رہا، اللہ کے وعدوں پر یقین اور اعتماد پیدا کرو اور پھر اس یقین واعتماد ہی کی بنیاد پر کام کرنے کی مشق کرو اور اللہ کے وعدوں کے معنی بھی خود نہ گھڑو، تمہارا علم اور تجربہ بہت محدود ہے، اس کے وعدوں کا مطلب اس کی شان کے مطابق سمجھو اور اس سے یوں ہی مانگو کہ اپنی شان اور اپنی قدرت کے شایان ان وعدوں کو پورا فرما۔ اُخروی نعمتوں کی معنویت اور اصل حقیقت کا تم اس دنیا میں کیا اندازہ کر سکتے ہو اور کیونکر وہ اندازہ صحیح ہو سکتا ہے جب کہ حدیث قدسی میں ان نعمتوں کی صفت ہی یہ بیان کی گئی ہے:

لَا عَيْنٌ رَأَتْ وَلَا أُذُنٌ سَمِعَتْ وَلَا خَطَرَ عَلَى قَلْبِ بَشَرٍ۔

"یعنی جنت میں ایسی نعمتیں ہیں جو نہ تو کسی آنکھ نے دیکھی ہیں اور نہ کسی کان نے ان کا حال سنا ہے اور نہ کسی انسان کے دل میں ان کا خیال آیا ہے۔"

افسوس! ہم نے اس کی موعود نعمتوں کو اپنے علم وفہم اور اس دنیا کے اپنے مشاہدے اور تجربے کے مطابق سمجھ کر اور اس کی اُمید باندھ کے بڑا گھاٹا کر لیا۔ "لَقَدْ حَجَّرْتُمْ وَاسِعًا" اس کی عطاء اور اس کی داد و دہش تو اس کے شایان شان ہو گی۔

Scanned by CamScanner

(۱۷۳)

فرمایا: ''وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ ۝'' (الذریت:۵۶) کے مقتضی سے جس قدر انحراف کیا اسی قدر ''خَلَقْنَا لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ'' کا ظہور کم ہو گیا۔ یعنی جس نسبت سے تمہاری عبدیت میں کمی آئی اسی نسبت سے زمین و آسمان کی کائنات سے تمہارا تمتع (نفع حاصل کرنا) کم ہو گیا۔

کائنات کو تمہارا خادم اسی لئے بنایا گیا تھا کہ تم اللہ تعالیٰ کا کام کرو اور اس کی اطاعت و بندگی اور اس کی مرضیات کے فروغ میں لگے رہو۔ جب تم نے اپنا یہ فریضہ چھوڑ دیا تو زمین و آسمان بھی تم سے پھر گئے۔

☆☆☆

Scanned by CamScanner

قسط نمبر ⓫

(۱۷۴)

فرمایا: جن مقامات کو رسولِ اکرم ﷺ نے جانوں کی بازی لگا کے، بلکہ اس جانبازی کے شوق و عشق سے حاصل کرنا بتلایا تھا وہ صحابہ کرامؓ نے دین کی راہ میں اپنے کو مٹا کے جو کچھ حاصل کیا تھا تم لوگ اس کو آرام سے لیٹے لیٹے کتابوں سے حاصل کر لینا چاہتے ہو۔"

(۱۷۵)

فرمایا: جو انعامات اور ثمرات خون سے وابستہ تھے ان کے لئے کم از کم پسینہ تو گرانا چاہیے۔

(۱۷۶)

فرمایا: وہاں حال یہ تھا کہ حضرت ابوبکرؓ و حضرت عمرؓ بھی دین کی راہ میں اپنے آپ کو فنا کر دینے کے باوجود اور رسولِ اکرم ﷺ کی کھلی ہوئی اور یقینی بشارتوں کے باوجود اس دنیا سے روتے ہوئے گئے۔

(۱۷۷)

فرمایا: پسند کو مباشرت کے قائم مقام سمجھنا بڑا دھوکا ہے اور شیطان یہی کرتا ہے کہ آدمی کو پسند ہی پر قانع بنا دیتا ہے۔

(اس ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ کسی اچھے کام کو صرف اچھا سمجھ لینے سے اس کام میں شرکت نہیں ہوتی، بلکہ اس میں لگنے اور اس کو کرنے ہی سے اس کا حق ادا ہوتا ہے لیکن بہت سے لوگوں کو شیطان یہ فریب دیتا ہے کہ وہ کام سے متفق ہو جانے کو کام میں لگ جانا اور شریک ہونا سمجھنے لگتے ہیں، یہ شیطان کا بڑا دھوکا ہے)۔

(۱۷۸)

فرمایا: ہماری تحریک دشمن نواز دوست کُش ہے، آجائے جس کا جی چاہے۔

Scanned by CamScanner

(۱۷۹)

فرمایا: بعض اس وقت کفر و الحاد بہت طاقتور ہے۔ ایسی حالت میں منتشر اور انفرادی اسلامی کوششوں سے کام نہیں چل سکتا لہذا پوری قوت کے ساتھ اجتماعی جدوجہد ہونی چاہیے۔ وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيعًا۔

(۱۸۰)

فرمایا: علم و ذکر کو مضبوطی سے تھامنے کی زیادہ سے زیادہ ضرورت ہے۔ مگر علم و ذکر کی حقیقت اچھی طرح سمجھ لینی چاہیے۔

ذکر کی حقیقت ہے عدم غفلت اور فرائض دینی کی ادائیگی میں لگا رہنا اعلیٰ درجے کا ذکر ہے۔ اس لئے دین کی نصرت اور اس کے فروغ کی جدوجہد میں مشغول رہنا ذکر کا اونچا درجہ ہے۔ بشرطیکہ اللہ کے اوامر اور مواعید کا خیال رکھتے ہوئے ہو۔

اور ذکر نفلی اس واسطے ہے کہ آدمی کے جو اوقات فرائض میں مشغول نہ ہوں وہ لایعنی میں نہ گزریں، شیطان یہ چاہتا ہے کہ فرائض میں لگنے سے جو روشنی پیدا ہوتی ہے اور جو ترقی حاصل ہوتی ہے وہ لایعنی میں لگا کے اس کو برباد کردے۔ پس اس سے حفاظت کے لئے ذکر نفلی ہے۔ الغرض فرائض سے جو وقت فارغ ہو اس کو ذکر نفلی سے معمور رکھا جائے تاکہ شیطان لایعنی میں مشغول کر کے ہمیں نقصان نہ پہنچا سکے (نیز ذکر نفلی کا ایک خاص اہم فائدہ یہ بھی ہے کہ اس سے عام دینی کاموں میں ذکر کی شان پیدا ہوتی ہے اور اللہ کے اوامر کی تعمیل میں اور اس کے مواعید کے شوق میں کام کرنے کا ملکہ پیدا ہوتا ہے)۔

اسی سلسلے میں فرمایا: فرائض میں لگنا حتیٰ کہ نماز پڑھنا بھی اگر اللہ کے اوامر اور مواعید کے دھیان کے ساتھ نہ ہو تو اصلی ذکر نہیں بلکہ جوارح کا ذکر ہے اور قلب کی غفلت ہے، اور حدیث میں قلب ہی کے متعلق ہے کہ:

إِذَا صَلَحَ صَلَحَ الْجَسَدُ كُلُّهُ وَإِذَا فَسَدَ فَسَدَ الْجَسَدُ كُلُّهُ۔

کہ انسان کے وجود میں یہی وہ مرکز ہے کہ اگر وہ ٹھیک ہو تو پھر سب ٹھیک ہے اور اگر وہ خراب ہو تو پھر سب خراب ہے۔

Scanned by CamScanner

تو اصلی چیز ہے بس اللہ کے اوامر اور اس کے مواعید کے دھیان کے ساتھ اللہ کے کاموں میں لگا رہنا۔ یہی ہمارے نزدیک ذکر کا حاصل ہے۔

اور علم سے مراد دینی مسائل اور دینی علوم کا صرف جاننا نہیں ہے، دیکھو یہود اپنی شریعت اور اپنے آسمانی علوم کے کیسے عالم تھے کہ رسول اللہ ﷺ کے نائبوں کے نائبوں تک کے حلیے نقشے، حتیٰ کہ ان کے جسموں کے تل کے متعلق کے بھی ان کو علم تھا (بعض روایات میں ہے کہ بعض علماء یہود نے حضرت فاروق اعظمؓ کے جسم کے کسی خاص حصے پر تل کی قسم کا کوئی نشان دیکھ کر ان کے متعلق بتلا دیا تھا کہ یہ شخص نبی آخر الزماں کا خلیفہ ہے اور بیت المقدس اس کے دور میں فتح ہوگا۔ اس قسم کی متعدد روایات ''ازالۃ الخفاء'' میں حضرت شاہ ولی اللہؒ نے نقل فرمائی ہیں۔ (مرتب)) لیکن ان باتوں کے صرف جاننے نے ان کو فائدہ دیا؟

(۱۸۲)

اسی سلسلے میں فرمایا: علم کے لئے جو وضع محمدیؐ تھی (یعنی طلب اور عظمت و محبت کے ساتھ صحبت و اختلاط سے علم حاصل کرنا اور زندگی سے زندگی سیکھنا) اس کی خصوصیت یہ تھی کہ اس کے ذریعے جتنا علم بڑھتا تھا اسی قدر اپنے جہل اور اپنی علمی درماندگی کا احساس ترقی کرتا تھا اور علم حاصل کرنے کا جو طریقہ اب رائج ہو گیا ہے اس کا نتیجہ یہ ہے کہ علم جتنا آتا ہے زُعم اس سے زیادہ پیدا ہوتا ہے، پھر زعم سے کبر پیدا ہوتا ہے اور کبر جنت میں نہیں جائے گا۔ علاوہ ازیں علم کے زعم کے بعد تحصیل علم کی تڑپ نہیں رہتی جس کی وجہ سے علمی ترقی ختم ہو جاتی ہے۔

(۱۸۳)

ایک صاحب جو ایک تبلیغی جماعت میں جانے کے لئے اپنے کو پیش کر چکے تھے انہوں نے حضرت کی خدمت میں سو روپے بھی پیش کئے، حضرت نے ان کو قبول فرما لیا اور فرمایا:

''میرا جی چاہتا ہے کہ جو لوگ دین کے لئے جسم و جان کا حصہ نہیں دیتے میں ان کا مال نہ لینے کی قسم کھالوں۔''

پھر اسی سلسلے میں فرمایا: انفاقِ مال جو عبادت ہے تو ی مقصود بالذات نہیں ہے، بلکہ اس کی مشروعیت اس واسطے سے ہے کہ مال کی دل بستگی نہ پیدا ہو۔

Scanned by CamScanner

(۱۸۴)

فرمایا: عہدِ فاروقی میں اُم المؤمنین حضرت زینبؓ کے یہاں جب مالِ غنیمت میں سے ان کا حصہ پہنچا (جو غالباً مقدار میں زیادہ ہوگا اور اس سے ان کو دلبستگی کا اندیشہ ہوا ہوگا) تو بیکل (بے چین) ہوکر دعاء فرمائی کہ اے اللہ اس گھر میں یہ پھر نہ آئے، چنانچہ ایسا ہی ہوا (یعنی ان کی وفات ہوگئی)۔

(۱۸۵)

فرمایا: ایمان یہ ہے کہ اللہ و رسول ﷺ کو جس چیز سے خوشی اور راحت ہو بندے کو بھی اس سے خوشی اور راحت ہو اور جس چیز سے اللہ و رسول ﷺ کو ناگواری ہو بندے کو بھی اس سے ناگواری اور تکلیف ہو، اور تکلیف جس طرح تلوار سے ہوتی ہے اسی طرح سوئی سے بھی ہوتی ہے۔ پس اللہ و رسول ﷺ کو ناگواری اور تکلیف کفر و شرک سے بھی ہوتی ہے اور معاصی سے بھی، لہٰذا ہم کو بھی معاصی سے ناگواری اور تکلیف ہونی چاہیے۔

(۱۸۶)

ایک روز یہ عاجز (مرتب ملفوظات) ایسے وقت حضرت کے حجرے میں پہنچا کہ بعض میواتی خدام حضرت کو نمازِ ظہر کے لئے وضو کرا رہے تھے (مرض الوفات کے آخر ایام میں شدت ضعف کی وجہ سے حضرت کو لیٹے لیٹے وضو کرایا جاتا تھا)۔

میرے پہنچنے پر حضرت نے ارشاد فرمایا:

"حضرت عبداللہ بن عباسؓ باوجودیکہ علم دین میں ان کا درجہ یہ تھا کہ حضرت فاروق اعظمؓ ان کو اکابر صحابہ کے ساتھ بٹھاتے تھے اور باوجودیکہ انہوں نے خود رسول اللہ ﷺ کو وضو کرتے دیکھا تھا اور اس کے بعد مدتوں حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کا وضو بھی دیکھا ہوگا، پھر بھی حضرت علیؓ کو وضو کراتے تھے اور اس سے ان کا مقصد تعلم بھی ہوتا تھا۔"

(۱۸۷)

جو میواتی خدام حضرات کو اس وقت وضو کرا رہے تھے ان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے

Scanned by CamScanner

پھر اس عاجز سے ارشاد فرمایا:

''میں بھی ان لوگوں سے یہ کہہ رہا تھا کہ تم یہ سمجھتے ہو کہ میری نماز اچھی ہوتی ہے، لہٰذا تم مجھے وضو کراتے وقت بیمار کی خدمت کی نیت کے علاوہ یہ نیت بھی کیا کرو کہ اے اللہ ہم یہ سمجھتے ہیں کہ تیرے اس بندے کی نماز ہم سے اچھی ہوتی ہے تو ہم اس کو اس لئے وضو کراتے ہیں کہ اس کی نماز کے ثواب میں ہمارا بھی حصہ ہو جائے۔''

پھر فرمایا: یہ میں ان لوگوں کو بتلاتا ہوں، لیکن میں خود اگر یہ سمجھنے لگوں کہ میری نماز ان لوگوں سے اچھی ہوتی ہے تو مردود ہو جاؤں گا، اس لئے میں اپنے اللہ سے یوں دعاء کرتا ہوں کہ اے اللہ! تیرے یہ سادہ دل بندے میرے متعلق یہ گمان رکھتے ہیں کہ میری نماز اچھی ہوتی ہے اور اسی لئے یہ بیچارے مجھے وضو کراتے ہیں تو محض اپنے کرم سے ان کے گمان کی لاج رکھ لے اور میری نماز کو قبول فرما لے اور اس کے ثواب میں اپنے ان بندوں کو بھی حصہ دے۔

پھر وضو کرانے والے ان میواتیوں کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا:

''تم لوگ ان علماء کی خدمتیں کرو جو ابھی تک تمہاری قوم کو دین سکھانے کی طرف متوجہ نہیں ہوئے ہیں۔ میرا کیا ہے، میں تو تمہارے ملک میں جاتا ہی ہوں، تم نہ بلاؤ جب بھی جاؤں گا، جو علماء ابھی تمہاری طرف متوجہ نہیں ہیں ان کی خدمتیں کرو گے تو وہ بھی تمہاری قوم کی دینی خدمت کرنے لگیں گے۔''

(۱۸۸)

فرمایا: شیخ کی خدمت اس لئے اور نیت اور ارادے سے کرنی چاہیے کہ اس ذریعے عادت اور مشق ہو جائے اللہ کے بندوں کی خدمت کی۔

پھر فرمایا: نیت کے ساتھ عباد مومنین کی خدمت، سیڑھی ہے عبیدت کی۔

(۱۸۹)

مشورے کی تاکید کرتے ہوئے ایک دفعہ ارشاد فرمایا:

مشورہ بڑی چیز ہے، اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ جب تم مشورے کے لئے اللہ پر اعتماد کر کے جم کے بیٹھو گے تو اٹھنے سے پہلے تم کو رُشد کی توفیق مل جائے گی۔''

Scanned by CamScanner

پھر فرمایا: یہ مضمون کسی حدیث میں آیا ہے، اس وقت اصلی حدیث مجھے یاد نہیں۔

(۱۹۰)

فرمایا: حضرت فاروق اعظمؓ اور اسی طرح دوسرے صحابہ کرامؓ کی آمدنیاں بہت تھیں اور اپنے اوپر خرچ کرنے میں بھی بڑے جُورس (کفایت شعار) واقع ہوئے تھے۔ ان کا کھانا، پہننا بہت ہی معمولی تھا اور نہایت سادہ بلکہ فقیرانہ زندگی گزارتے تھے۔ اس کے باوجود ان میں سے بہت سے دنیا سے مقروض گئے۔ کیونکہ وہ اپنی ساری آمدنی دین کی راہ میں خرچ کر دیتے تھے دراصل مومن کا روپیہ اسی لئے ہے کہ وہ اللہ کے کام آئے۔

(۱۹۱)

حجرے میں بچھے ہوئے ایک پلنگ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اس عاجز (مرتب) سے فرمایا:

"یہ پلنگ میری والدہ کے دادا کا ہے اور برابر استعمال میں رہتا ہے۔"

(بعد میں حساب لگایا گیا تو معلوم ہوا کہ اسی (۸۰) برس اس پر گزر چکے ہیں)

پھر فرمایا: برکت یہی ہے کہ کوئی چیز عادۃً جس وقت اور جس حالت میں ختم ہو جانی چاہیے وہ اس میں ختم نہ ہو اور باقی رہے۔

فرمایا: رسولِ اکرم ﷺ کی دعاء سے بعض اوقات کھانے وغیرہ میں برکت کے جو واقعات ہوئے ہیں ان کی نوعیت یہی تھی کہ اصلی چیز ختم نہیں ہوتی تھی۔

(۱۹۲)

فرمایا: "كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِي شَأْنٍ" (سورۃ الرحمٰن) مطلب یہ ہے کہ جو کچھ اور جیسے جیسے عظیم الشان اور محیر العقول کام اللہ پاک پہلے کر چکے ہیں ان سے ہزاروں درجے بڑے کام وہ ہر آن کر سکتے ہیں اور ان کی قدرتِ کاملہ برابر اپنا کام کرتی رہتی ہے۔

(۱۹۳)

بمبئی کے مشہور اُردو روز نامہ "الہلال" کے مالک و ایڈیٹر حافظ علی بہادر خاں بی اے

Scanned by CamScanner

حضرت کے مرض الوفات ہی میں ایک دن حضرت کی زیارت کے لئے تشریف لائے۔ حضرت نے انتہائی ضعف و ناتوانی کے باوجود قریباً آدھ گھنٹہ ان سے گفتگو فرمائی۔ وہ اس گفتگو سے بہت ہی متاثر ہوئے اور بمبئی پہنچ کر انہوں نے ''الہلال'' کی چند اشاعتوں میں حضرت کی شخصیت اور دینی دعوت کے متعلق اپنے تاثرات لکھے اور حضرت کی دعوت اصلاح و تبلیغ کی عظمت و اہمیت اور اس کی سنجیدگی کا اعتراف اس طرح کیا کہ جس کی توقع آج کل کے کسی ایڈیٹر اور لیڈر سے نہیں کی جاسکتی۔

''الہلال'' کے وہ پرچے مجھے ایک جگہ سے مل گئے، حافظ صاحب کے وہ مضامین پڑھ کر مجھے بڑی خوشی ہوئی اور میں نے ارادہ کیا کہ میں حضرت کو بھی سناؤں گا، چنانچہ وہ پرچے ہاتھ میں لئے کسی مناسب وقت میں اس اُمید کے ساتھ حاضر خدمت ہوا کہ حضرت ہاتھ میں پرچے دیکھ کر خود ہی دریافت فرمائیں گے کہ ہاتھ میں کیا ہے، تو مجھے کچھ عرض کرنے کا اور ان مضامین کے سنانے کا موقع مل جائے گا۔

لیکن میری توقع اور آرزو کے خلاف حضرت نے کچھ پوچھا ہی نہیں، دیر تک انتظار کے بعد مجھ سے نہ رہا گیا اور میں نے خود ہی عرض کیا کہ حضرت! فلاں دن بمبئی کے حافظ علی بہادر خان صاحب تشریف لائے تھے، وہ الحمدللہ بہت متاثر ہو کر گئے اور انہیں نے اپنے اخبار میں ہمارے کام کے متعلق چند مضامین لکھے ہیں جن میں کام کی عظمت و اہمیت کا انہوں نے بہت اعتراف کیا ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ خوب سمجھا ہے، اگر ارشاد ہو تو ان میں سے ایک آدھ مضمون سنا دوں؟

فرمایا: ''مولوی صاحب! جو کام ہو چکا اس کا کیا ذکر کرنا ہے، بس یہ دیکھو کہ جو کچھ ہم کو کرنا تھا اس میں کیا رہ گیا، اور جو کچھ کیا جا چکا اس میں کتنی اور کیسی کیسی کوتاہیاں ہوئیں، اخلاص میں کتنی کمی رہی، اللہ تعالیٰ کے امر کی عظمت کے دھیان میں کتنا قصور ہوا۔ آدابِ عمل کے تفقد میں اور اُسوۂ نبوی ﷺ کے اتباع کی کوشش میں کتنا نقصان رہا؟ مولوی صاحب! ان امور کے بغیر پچھلے کام کا ذکر مذاکرہ اور اس پر خوش ہونا بس ایسا ہے جیسے راستہ چلنے والا مسافر کھڑا ہو کر پیچھے کی جانب دیکھنے لگے اور خوش ہونے لگے۔

پچھلے کام کی صرف کوتاہیاں تلاش کرو اور ان کی تلافی کی فکر کرو اور آئندہ کے لئے سوچو کہ کیا کرنا ہے؟

Scanned by CamScanner

یہ مت دیکھو کہ ایک شخص نے ہماری بات سمجھ لی اور اعتراف کر لیا بلکہ اس پر غور کرو کہ ایسے کتنے لاکھ اور کتنے کروڑ باقی ہیں جن کو ہم ابھی اللہ کی بات پہنچا بھی نہیں سکے ہیں اور کتنے ہیں جو واقفیت اور اعتراف کے بعد بھی ہماری کوششوں کی کمی کی وجہ سے عمل پر نہیں پڑے ہیں۔

(۱۹۴)

فرمایا: نماز کو حدیث میں ''عِمَادُ الدِّیْن'' (دین کا ستون) فرمایا گیا ہے۔ اس کا یہ مطلب ہے کہ نماز پر باقی دین معلق ہے، اور وہ نماز ہی سے ملتا ہے۔ نماز میں دین کا تفقہ بھی ملتا ہے اور توفیق عمل بھی عطاء ہوتی ہے۔ پھر جیسی کسی کی نماز ویسی ہی اس کے حق میں یہ عطاء بھی ہو گئی، اس لئے نماز کی دعوت دینا اور لوگوں کی نمازوں میں خشوع وخضوع پیدا کرنے کی کوشش کرنا بالواسطہ پورے دین کے لئے سعی کرنا ہے۔

(۱۹۵)

فرمایا: جو کام عوام مُخلصین سے لیا جا سکتا ہو اور اس سے ان مُخلصین کے درجے اور اجر میں ترقی کی توقع ہو، وہ ان سے نہ لینا اور اس کو خود کرنا، ان مخلصوں کے ساتھ ہمدردی نہیں ہے بلکہ ان پر ایک طرح کا ظلم ہے اور اللہ کے نہایت کمترعانہ قانون ''اَلدَّالُّ عَلَی الْخَیْرِ کَفَاعِلِہٖ'' کی ناقدری ہے۔

فرمایا: بھئی دین پر عمل بڑے تفقہ کو چاہتا ہے۔

(۱۹۶)

فرمایا: یہ نہایت اہم اصول ہے کہ ہر طبقے کو دعوت اسی چیز کی دی جائے جس کا حق ہونا اور ضروری ہونا وہ خود بھی مانتا ہو اور عمل میں کوتاہی کو اپنی کوتاہی سمجھتا ہو، جب وہ طبقہ ان چیزوں پر عمل کرنے لگے گا تو اگلی چیزوں کا احساس ان شاء اللہ اس میں خود پیدا ہوگا، اور ان کی ادائیگی کی استعداد بھی پیدا ہوگی۔

(۱۹۷)

فرمایا: جو جتنے زیادہ اہل حق ہیں ان میں اتنے ہی زیادہ کام اور کوشش کی ضرورت ہے۔

Scanned by CamScanner

ان کا دین کے واسطے اٹھانا بہت ضروری ہے کیونکہ وہی اصل اور جڑ ہو سکتے ہیں۔

(۱۹۸)

فرمایا: افسوس! جو لوگ دین کے لئے کچھ بھی نہیں کر رہے ہیں اور دین کے معاملے میں بالکل ہی غافل اور پسماندہ ہیں ہم ان کو دیکھ دیکھ کر اپنی ذرا سی سعی و حرکت پر قانع اور مطمئن ہو جاتے ہیں اور سمجھنے لگتے ہیں کہ ہم اپنا حق ادا کر رہے ہیں۔ حالانکہ چاہیے یہ کہ اللہ کے جن بندوں نے دین کے لئے اپنے کو بالکل مٹایا تھا ہم ان کے نمونوں کو نظر کے سامنے رکھ کے ہمیشہ اپنے کو مقصر سمجھتے رہیں اور جتنا کر رہے ہیں اس سے زیادہ کرنے کے لئے ہر وقت حریص اور مضطرب رہیں۔ حضرت عمرؓ کو ہمیشہ اس کی حرص رہتی تھی کہ کسی طرح دین کی خدمت میں وہ حضرت ابوبکرؓ کا مقام پالیں۔

(۱۹۹)

فرمایا: تبلیغ کے آداب میں سے یہ ہے کہ بات بہت لمبی نہ ہو اور شروع میں لوگوں سے صرف اتنے عمل کا مطالبہ کیا جائے جس کو وہ بہت مشکل اور بڑا بوجھ نہ سمجھیں۔ کبھی کبھی لمبی بات اور لمبا مطالبہ لوگوں کے اعراض کا باعث بن جاتا ہے۔

(۲۰۰)

فرمایا: بہت سے لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ بس پہنچا دینے کا کام تبلیغ ہے، یہ بڑی غلط فہمی ہے۔ تبلیغ یہ ہے کہ اپنی صلاحیت اور استعداد کی حد تک لوگوں کو دین کی بات اس طرح پہنچائی جائے جس طرح پہنچانے سے لوگوں کے ماننے کی اُمید ہو۔ انبیاءؑ یہی تبلیغ لائے ہیں۔

(۲۰۱)

فرمایا: فضائل کا درجہ مسائل سے پہلے ہے، فضائل سے اعمال کے اجر پر یقین ہوتا ہے جو ایمان کا مقام ہے اور اسی سے آدمی عمل کے لئے آمادہ ہوتا ہے۔ مسائل معلوم کرنے کی ضرورت کا احساس تو تب ہی ہوگا جب وہ عمل پر تیار ہوگا، اس لئے ہمارے نزدیک فضائل کی اہمیت زیادہ ہے۔

Scanned by CamScanner

(۲۰۲)

فرمایا: تبلیغی جماعتوں کے نصابِ تعلیم کا ایک اہم جز تجوید بھی ہے۔ قرآن شریف اچھی طرح پڑھنا بڑی ضروری چیز ہے۔

مَا اَذِنَ اللّٰہُ لِشَیْءٍ مَا اَذِنَ لِنَبِیٍّ یَتَغَنّٰی بِالْقُرْاٰنِ۔

تجوید دراصل وہی ''تَغَنّٰی بِالْقُرْآنِ'' ہے جو رسول اللہ ﷺ سے منقول ہو کر ہم تک پہنچی ہے۔

لیکن تجوید کی تعلیم کے لئے جتنا وقت درکار ہے جماعت میں اتنا وقت نہیں مل سکتا۔ اس لئے ان ایام میں تو صرف اس کی کوشش کی جائے کہ لوگوں کو اس کی ضرورت کا احساس ہو جائے اور کچھ مناسبت ہو جائے اور پھر اس کو سیکھنے کے لئے وہ مستقل وقت صرف کرنے پر آمادہ ہو جائیں۔

(۲۰۳)

فرمایا: دوسروں کو دین کی دعوت اور ترغیب دینا سرّی عبادت ہے، کیونکہ عام لوگ اس کو عبادت نہیں سمجھتے اور اس میں اعلیٰ درجے کا تعدیہ بھی ہے جو جہری عبادتوں میں خیر کا خاص پہلو ہوتا ہے۔

(۲۰۴)

فرمایا: بزرگوں کی خدمت کا مقصد دراصل یہ ہوتا ہے کہ ان کے جو عمومی اور معمولی کام دوسرے لوگ انجام دے سکتے ہوں وہ ان کو اپنے ذمہ لے لیں تاکہ ان کے اوقات اور ان کی قوتیں ان بڑے کاموں کے لئے فارغ رہیں جو وہی اکابر انجام دے سکتے ہیں۔ مثلاً کسی شیخ وقت یا کسی عالم و مُفتی کے وہ عمومی کام آپ اپنے ذمہ لے لیں جو آپ کے بس کے ہیں، اور ان کو ان کی طرف سے فارغ اور بے فکر کر دیں تو وہ حضرات دین کے جو بڑے بڑے کام کرتے ہیں (مثلاً اصلاح و ارشاد اور درس و افتاء وغیرہ) تو وہ زیادہ اطمینان اور یکسوئی سے ان کو انجام دے سکیں گے اور اس طرح یہ خُدّام ان کے ان بڑے کاموں کے اجر میں حصہ دار ہو جائیں گے، تو دراصل بڑوں کی خدمت ان کے بڑے کاموں میں شریک ہونے کا ایک ذریعہ ہے۔

Scanned by CamScanner

(۲۰۵)

فرمایا: حقیقی محبت کا اقتضاء یہ ہوتا ہے کہ محبّ اور محبوب کے جذبات اور خواہشات تک میں کامل اتحاد ہوجاتا ہے۔ میرے بھائی مولانا محمد یحییٰ صاحبؒ کا یہ حال تھا کہ باجود یکہ وہ خانقاہ سے دُور رہتے تھے لیکن بارہا ایسا ہوتا کہ اچانک ان کے دل میں خانقاہ جانے کا تقاضہ پیدا ہوتا اور وہ فوراً چل دیتے اور جب دروازہ کھولتے تو حضرت گنگوہی (قدس سرّہ) کو انتظار میں بیٹھا پاتے۔

فرمایا کہ اللہ تعالیٰ سے جب کسی بندے کو سچی محبت ہوجاتی ہے تو پھر یہی معاملہ اللہ پاک کے ساتھ ہوجاتا ہے کہ اس کی مرضیات بندے کی مرضیات ہوجاتی ہیں اور جو باتیں اللہ کو ناپسند ہوتی ہیں بندے کو بھی ان سے نفرت ہوجاتی ہے اور اس محبت کے پیدا کرنے کا طریقہ ہے اُسوۂ محمدی ﷺ کا اتباع ''قُلْ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ۔''

(۲۰۶)

جولوگ دین دار اور دین دان ہونے کے باوجود دین کے فروغ کے لئے اور امت کی اصلاح کے لئے وہ جدوجہد نہیں کررہے جو رسول اللہ ﷺ کی نیابت کا تقاضا ہے ان کے بارے میں ایک روز حضرت کی زبان سے نکل گیا کہ ''ان لوگوں پر بڑا رحم آتا ہے۔'' اس کے بعد دیر تک اور مسلسل استغفار فرماتے رہے۔ پھر اس عاجز سے مخاطب ہوکر ارشاد فرمایا:

میں نے استغفار اس پر کیا ہے کہ میری زبان سے یہ دعوے کا کلمہ نکل گیا تھا کہ: ''مجھے ان لوگوں پر رحم آتا ہے۔''

(۲۰۷)

فرمایا: مسجدیں، مسجد نبویؐ کی بیٹیاں ہیں، اس لئے ان میں وہ سب کام ہونے چاہئیں جو حضور ﷺ کی مسجد میں ہوتے تھے۔ حضور ﷺ کی مسجد میں نماز کے علاوہ تعلیم وتربیت کا کام بھی ہوتا تھا اور دین کی دعوت کے سلسلے کے سب کام بھی مسجد میں ہوتے تھے۔ دین کی تبلیغ یا تعلیم کے لئے وفود کی روانگی بھی مسجد ہی سے ہوتی تھی یہاں تک کہ عساکر کا نظم بھی مسجد ہی سے ہوتا تھا۔ ہم چاہتے ہیں کہ ہماری مسجدوں میں بھی اسی طریقے پر یہ سب کام ہونے لگیں۔

Scanned by CamScanner

(۲۰۸)

فرمایا: صحیح طریق کار یہ ہے کہ جو کام نازل درجے کے لوگوں سے لیا جا سکتا ہو وہ انہی سے لیا جائے، ان سے مافوق کے لوگوں کا اس میں لگنا جب کہ نازل درجے کے کام کرنے والے بھی نصیب ہوں بڑی غلطی ہے بلکہ ایک طرح کا کفرانِ نعمت اور نیچے درجے والوں پر ظلم ہے۔

(۲۰۹)

فرمایا: دین کی دعوت کا اہتمام میرے نزدیک اس وقت اتنا ضروری ہے کہ اگر ایک شخص نماز میں مشغول ہو اور ایک نیا آدمی آئے اور واپس جانے لگے اور پھر اس کے ہاتھ آنے کی توقع نہ ہو، تو میرے نزدیک نماز کو درمیان میں توڑ کر اس سے دینی بات کر لینی چاہیے اور اس سے بات کر کے یا اس کو روک کر اپنی نماز پھر سے پڑھنی چاہیے۔

(۲۱۰)

اسی سلسلے میں فرمایا: میری حیثیت ایک عام مؤمن سے اونچی نہ سمجھی جائے، صرف میرے کہنے پر کرنا بددینی ہے، میں جو کچھ کہوں اس کو کتاب وسُنت پر پیش کر کے اور خود غور وفکر کر کے اپنی ذمہ داری پر عمل کرو، میں تو بس مشورہ دیتا ہوں۔

فرمایا: حضرت عمرؓ اپنے ساتھیوں سے کہا کرتے تھے کہ ''تم نے میرے سر بہت بڑی ذمہ داری ڈال دی ہے، تم سب میرے اعمال کی نگرانی کیا کرو۔''

میری بھی اپنے دوستوں سے بڑے اصرار اور الحاح سے یہ درخواست ہے کہ وہ میری نگرانی کریں، جہاں غلطی کروں وہاں ٹوکیں اور میرے رشد وسداد کے لئے دعائیں بھی کریں۔

(۲۱۱)

فرمایا: کسی کام میں اشتغال اس کے علاوہ بہت سی چیزوں سے اعراض کو مستلزم ہوتا ہے، یعنی جب اشتغال فی شئ ہوگا تو اشتغال عن اشیاء ضرور ہوگا، اور پھر جس درجے کا اشتغال فی شئ ہوگا تو دوسری چیزوں کے اہتمام میں اسی درجے کی کمی بھی ہوگی۔ شریعت میں جو تعلیم دی گئی ہے کہ ہر اچھے سے اچھے کام کے ختم پر بھی استغفار کیا جائے، میرے نزدیک اس میں ایک راز یہ بھی

Scanned by CamScanner

ہے کہ شاید اس اچھے کام میں مشغولی اور انہماک کی وجہ سے کسی دوسرے امر کی تعمیل میں کوتاہی ہو جائے، خاص کر جب کسی کام کی لگن میں دل لگ جاتا ہے اور دل و دماغ پر وہ کام چھا جاتا ہے تو پھر اس کے ماسواء دوسرے کاموں میں بسا اوقات تقصیر ہو جاتی ہے۔ اس لئے ہمارے اس کام میں لگنے والوں کو خصوصاً کام کے زمانے میں اور کام کے خاتمے پر استغفار کی کثرت اپنے اوپر لازم کر لینی چاہیے۔

(۲۱۲)

فرمایا: علماء سے کہنا ہے کہ ان تبلیغی جماعتوں کی چلت پھرت اور محنت و کوشش سے عوام میں دین کی صرف طلب اور قدر ہی پیدا کی جا سکتی ہے اور ان کو دین سیکھنے پر آمادہ ہی کیا جا سکتا ہے۔ آگے دین کی تعلیم و تربیت کا کام علماء اور صلحاء کی توجہ فرمائی ہی سے ہو سکتا ہے۔ اس لئے آپ حضرات کی توجہات کی بڑی ضرورت ہے۔

(۲۱۳)

کسی سلسلہ سے عہدِ حاضر کے ایک مشہور صاحب علم اور صاحب قلم خادم دین کا ذکر آ گیا، جن کی بعض عملی کمزوریوں کی بناء پر خاص دیندار حلقوں کو ان پر اعتراض ہے تو فرمایا کہ:

"میں تو ان کا قدر دان ہوں، اگر ان میں کوئی کمزوری ہو تو میں اس کا علم بھی حاصل کرنا نہیں چاہتا، یہ معاملہ اللہ کا ہے، شاید ان کے پاس اس کا کوئی عذر ہو، ہم کو تو عام حکم یہ ہے کہ دعائیں کرو "لَا تَجْعَلْ فِيْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا۔"

(۲۱۴)

پنجاب کے ایک بڑے مشہور عالم اور بزرگ (جن سے اس عاجز مرتب ملفوظات کو بھی شرف نیاز حاصل ہے) دہلی تشریف لائے ہوئے تھے، یہ عاجز ان کی خدمت میں حاضر ہوا اور حضرت مولانا کی دینی دعوت کا اور اس کے اصول اور طریق کار کا کچھ تفصیل سے تذکرہ کیا، اور اپنے قدیم نیاز مندانہ تعلقات کی بناء پر ان کو ترغیب دی اور استدعا کی کہ وہ اس دینی دعوت کے متعلق مزید واقفیت حاصل کرنے کے لئے کچھ وقت اس کام کے مرکز نظام الدین میں گزاریں۔

Scanned by CamScanner

دعوت کے اصول اور طریقۂ کار اور کام کی رفتار کے متعلق میری گذارش سننے کے بعد انہوں نے بڑے تأثر کا اظہار کیا اور فرمایا کہ اس وقت تو میں طویل قیام نہیں کر سکتا صرف تین چار دن کے لئے آیا ہوں اور حضرت مولانا بھی بیمار ہیں لہٰذا اس وقت تو میں صرف زیارت کے لئے حاضر ہوں گا، لیکن میں نے نیت کر لی ہے کہ جب مولانا کو صحت ہو جائے گی اور اہم تبلیغی دورہ فرمائیں گے تو میں ان شاء اللہ اس میں ساتھ رہ کر دیکھوں گا۔

یہ عاجز جب دہلی شہر سے بستی نظام الدین واپس آیا اور حضرت کو یہ پوری گفتگو سنائی تو ارشاد فرمایا:

''شیطان کا یہ بہت بڑا دھوکا اور فریب ہے کہ وہ مستقبل میں بڑے کام کی اُمید بندھا کر اس چھوٹے خیر کے کام سے روک دیتا ہے جو فی الحال ممکن ہوتا ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ بندہ اس وقت جو خیر کر سکتا ہے کسی حیلے سے اس کو اس سے ہٹا دے اور اس داؤ میں وہ اکثر کامیاب ہو جاتا ہے۔ پھر مستقبل میں آدمی جس بڑے کام کی اُمید باندھتا ہے بسا اوقات اس کا وقت ہی نہیں آتا، بڑے کاموں کی اُمیدیں اکثر ضائع ہی ہوتی ہیں اور اس کے برخلاف جو خیر فی الحال ممکن ہو، اگرچہ وہ چھوٹا ہی ہو، اس میں لگنا اکثر بڑے کام تک پہنچنے کا سبب اور ذریعہ بن جاتا ہے۔ اس لئے عقلمندی یہ ہے کہ جو خیر جس وقت جتنا میسر ہو سکے اس پر تو اسی وقت عمل کر لیا جائے اور فرصت سے فوری فائدہ اٹھا لیا جائے۔ ان صاحب کو چاہیے کہ وہ پھر پر نہ رکھیں اس وقت جتنا ممکن ہو وقت دے دیں اور میری بیماری کا بالکل خیال نہ کریں کسی کو کیا خبر اس بیماری میں صحت سے بدرجہاء زیادہ کام ہو رہا ہے۔ یہاں آنے کا یہی خاص وقت ہے۔''

اللہ کا کرنا ایسا ہی ہوا کہ وہ بزرگ اس وقت قیام نہ فرما سکے، اور مستقبل کے متعلق انہوں نے جو ارادہ کیا تھا وہ بھی پورا نہ ہوا، اور چند ہی روز بعد حضرت مولانا کا وصال ہو گیا۔

''رَحْمَةُ اللهِ تَعَالٰى رَحْمَةَ الْاَبْرَارِ الصَّالِحِيْنَ۔''

☆☆☆

Scanned by CamScanner